349 | جولائی ۲۰۱۱ء

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی
حفظہ اللہ

مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

مُحدّث

۱۰ نیند کے مستحب، مکروہ اور ممنوع اوقات
۴۷ ارضِ توحید: مملکتِ سعودی عرب
۶۸ مولانا حافظ محمد اسماعیل روپڑیؒ

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL
مجلس التحقیق الاسلامی

ماہنامہ 'محدث' لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیر اَعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی   مُدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہو رہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیرِ بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰ روپے   زرِ سالانہ: ۲۰۰ روپے بیرون ملک: ۲۰ ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ ۲۰۰ روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔

ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 042 - 3586639 / 35866476   موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.mohaddis.com   __ www.kitabosunnat.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

☜ عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کردینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائل اسلامیہ کو نرم کردینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین وسیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تورہ جاتی ہے چنگیزی۔

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کردینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

LAHORE ISLAMIC UNIVERSITY

جامعة لاهور الاسلامية (رحمانیہ)

Admissions OPEN

- مدینہ منورہ یونیورسٹی میں ہر سال 4 طلبہ کا داخلہ
- مدینہ یونیورسٹی، ملائیشیا میں 20 سکالرشپ
- وفاق المدارس السّلفیہ میں سب سے زیادہ پوزیشنیں
- دو وسیع وعریض، شاندار بلڈنگوں میں کامیاب منتقلی
- پنجاب یونیورسٹی اور بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد میں پی ایچ ڈی ٹیسٹ میں پہلی پوزیشنیں
- ممتاز طلبہ کو ماہانہ 500 روپے وظیفہ
- ہر سال عمرہ کے 4 اور حج کے 1 انعام کی شاندار روایات کے بعد

جامعة لاهور الاسلامية کا ایک غیر معمولی اور انقلابی اقدام

BS (Islamic Studies)

4 Years Degree Program

جس کی تکمیل کرنیوالا طالبعلم HEC کے منظور شدہ ایم اے کا سند یافتہ ہوگا

خصوصیات

- برصغیر کے دینی مدارس کی خصوصیات پر مشتمل اور مدینہ یونیورسٹی کے اصل نصاب کی براہِ راست تدریس
- عالمی یونیورسٹیوں سے ہم آہنگ اور 8 سمیسٹرز 180 Credit Hours پر مشتمل جدید نظامِ تعلیم
- بہترین فرنشڈ کلاس روم، جدید ترین کمپیوٹر لیب
- وسیع لائبریری اور معاونِ تعلیم آلات کا بھرپور استعمال

مطلوبہ اہلیت:
(۱) ثانویہ خاصہ (وفاق المدارس) یا
(۲) انٹرمیڈیٹ + یکسالہ دینی تعلیم

محدود نشستوں پر ستمبر ۲۰۱۱ء میں

داخلے جاری ہیں

ڈاکٹر حافظ حسن مدنی
ڈائریکٹر فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز
۹۱ بابر بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
موبائل 03014415977

magazine.mohaddis.com

ملتِ اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلہ

مدیر اعلیٰ
حافظ عبد الرحمن مدنی

مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ محدث
لاہور پاکستان

only for SMS
0333-4213525

جلد ۴۳، شمارہ ۷ — شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ — جولائی ۲۰۱۱

فکر و نظر

پاکستانی میڈیا: بعض قابل توجہ پہلو	ڈاکٹر حافظ حسن مدنی	۲

احکام و شرائع

نیند کے مستحب، مکروہ اور ممنوع اَوقات	فاروق رفیع	۱۰

فقہ و اجتہاد

غصہ کی حالت میں دی گئی طلاق کا حکم	حافظہ مریم مدنی	۲۹

ملتِ اسلامیہ

ارضِ توحید: مملکتِ سعودی عرب	محمد اقبال کیلانی	۳۷
مسلم مشرق پر مغربی مظالم اور ردِّ امریکہ	محمد عطاء اللہ صدیقی	۴۷

یادِ رفتگان

مولانا حافظ محمد اسماعیل روپڑیؒ	مولانا محمد یوسف انور	۶۸

تبصرۂ کتب

مولانا عبد الغفار حسن (حیات و خدمات)	حافظ محمد عبد الاعلیٰ درانی	۷۸
چہرے کا پردہ: واجب، مستحب یا بدعت؟	محمد یونس جنجوعہ	

Islamic Research Council

مدیر معاون
کامران طاہر
0302 4424736

زر سالانہ =/۲۰۰ روپے
فی شمارہ =/۲۰ روپے

بیرون ملک
زر سالانہ =/۲۰ ڈالر
فی شمارہ =/۲ ڈالر

Monthly Muhaddis
A/c No:984-8
UBL-Model Town
Bank Squre Market, Lahore.

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700
042-35866476
35866396
35839404

Email:
mkamrantahir@gmail.com

Publisher:
Hafiz Abdur Rahman Madni
Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore
Designing (Abdul Wasea)
Crystal Art Lahore 0323-7471862-1

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں!

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پاکستانی میڈیا؛ بعض قابل توجہ پہلو

دورِ حاضر کا میڈیا بڑا طاقتور ہے۔ یوں تو اسے ریاست کا چوتھا ستون قرار دیا جاتا ہے لیکن اگر حکومتِ وقت کے مقابل آجائے تو اپنی قوت کے بل بوتے پر اُسے بھی جھکنے مجبور کر دیتا ہے۔ وہ عوام جنھیں جمہوری نظام میں ریاست کا حاکم باور کیا جاتا ہے، دراصل ان عوام کے رجحانات کی تشکیل اور ان کی آرا کی زبان یہی میڈیا بنتا ہے اور اس ناطے عوام پر بھی حکومت کرتا ہے اور ان کا نفسِ ناطقہ بھی ہے۔ رائے عامہ کو مطلوبہ رخ دینے سے لے کر سیاستدانوں اور سیاسی جماعتوں کی زندگی اسی میڈیا کی مرہونِ منت ہے۔ اگر میڈیا کسی سیاسی جماعت کا بائیکاٹ کردے تو عوام میں وہ اپنا تعارف اور شناخت کھو بیٹھتی ہے اور کسی طبقہ حیات کے مخالف ہو جائے تو آخر کار اس کا قومی کردار مسخ ہو کے رہ جاتا ہے!

اخبارات ورسائل کے دور میں یہ میڈیا صرف پڑھنے پڑھانے والے افراد تک محدود تھا اور اس کی اثرپذیری کے دائرے کافی محدود تھے، لیکن الیکٹرونک میڈیا کے اس جدید دور میں اس کے سحر نے بچوں سے لے کر بوڑھوں تک ہر عمر کے انسان کو اور سائنسدان سے لے کر خاکروب تک ہر طبقہ حیات کو متاثر کیا ہے۔ یہ میڈیا جو پہلے خبر و تفریح تک محدود تھا، اب اس نے آگے بڑھ کر قانونی قضیے اور قومی فیصلے بھی اپنے دائرۂ عمل میں گھسیٹ لئے ہیں۔ جدید دور کا میڈیا ایک منفعت بخش کاروبار ہی نہیں رہا، بلکہ اس سے بڑھ کر پریشر اور لابنگ کے ایک طاقتور آلے کے طور پر استعمال ہو رہا ہے۔

میڈیا کی اس حیرت انگیز قوت نے اسے مختلف قوتوں کے ہاتھ میں کھلونا بنا دیا ہے اور لوگوں کو اپنی خواہشات کے مطابق چلانے کا ناروا ایجنڈا رکھنے والے عناصر ہر میدان میں میڈیا کا بری طرح استحصال کر رہے ہیں اور اس کا نتیجہ تعلیمی اداروں سے شروع ہو کر سامعین وناظرین کے فکر و نظر اور سماجی رویوں پر پوری شدت سے نظر آرہا ہے۔

اس دور میں میڈیا بنی نوعِ انسان کی قیادت کر رہا ہے اور جس پہلو کو غالب کرنا چاہتا ہے،

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مختلف ابلاغی ہتھکنڈوں سے اپنی مراد کو پورا کرلیتا ہے۔ میڈیا کی اس حیرت انگیز تاثیر کی بنا پر زندگی کے ہر میدان میں حقائق و نظریات کے پہلو بہ پہلو، ابلاغی عنصر روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ بازاروں میں ہونے والی خرید وفرخت کی دوڑ ہو یا اقوام وملل کے مابین عسکری و نظریاتی میدانوں کی جنگ، ہر جگہ اس کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ المختصر، آج جس دنیا میں ہم جی رہے ہیں، اگر اس میں خیر کا پہلو نظر آتا ہے تو اس میں یقیناً میڈیا کا کچھ کردار ہے اور اگر اس میں شر وفساد غالب ہے تو اس سے بھی میڈیا کو بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا!

میڈیا بالخصوص مسلم اُمہ کا میڈیا اس قدر ذمہ دار حیثیت میں ہونے کے باوجود بعض ایسے بنیادی مسائل کا شکار ہے جس کے نتائج بری طرح ملتِ اسلامیہ کو متاثر کر رہے ہیں، اس پر اربابِ میڈیا کو توجہ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ہر باشعور شخص یہ جانتا ہے کہ محض خبریت سے بڑھ کر، میڈیا مختلف مسائل میں مخصوص نقطہ نظر کو پروان چڑھاتا ہے۔ انسان باخبر رہنے کے فطری جذبے کی تسکین کی خاطر اس کی طرف لپکتے ہیں جبکہ میڈیا کے کارپردازان اُن کے فکروذہن کی تشکیل کے درپے ہو جاتے ہیں۔

① پاکستانی میڈیا کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس میڈیا میں پکی پکائی اور بنی بنائی خبریت پر بہت زیادہ انحصار کیا جاتا ہے۔ سیاستدانوں کے بیانات ہوں، یا تنظیموں تحریکوں کے کارہائے نمایاں، ان کی تمامتر جنگ میڈیا کے صفحات یا ٹاک شوز کے ذریعے لڑی جارہی ہے جس سے ملک وملت کا بہت سا وقت ضائع ہو رہا ہے۔ ایسی خبروں سے سیاستدانوں اور جماعتوں کا وجود تو کسی کارکردگی کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے لیکن قوم وملک کا کوئی بھلا نہیں ہوسکتا۔ گذشتہ چند برسوں کے اخبارات میں سیاستدانوں کے بیانات اور ٹاک شوز کو نکال کر دیکھ لیں، ان میں ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھالنے اور بے مقصد جملے بازی کو ہمارے میڈیا نے ہی اس قابل سمجھا ہے کہ اس کو شائع کرکے عوام الناس کے ذہنوں میں اُنڈیلا جائے۔ اگر ہمارا میڈیا بے مقصد جملے بازی اور دعووں / دھمکیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے سیاسی جماعتوں کے بامقصد کردار کو ہی متعارف کرائے تو اس سے سیاستدانوں، قومی جماعتوں اور عوام پاکستان کا بہت بھلا ہوسکتا ہے۔

② اخبارات اور ٹی وی چینلز کی اس بھرمار میں یہ حقیقت بڑی تلخ ہے کہ سچ پہلے سے کہیں زیادہ مسخ ہو چکا اور اس کو تلاش کرنا پہلے سے زیادہ مشکل ہو چلا ہے۔ ہمارا میڈیا غیر اہم چیزوں کی انتہائی چھوٹی جزئیات سے تو ہماری سماعت وبصارت کو محظوظ کرتا ہے، جبکہ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

بہت سے ایسے حقائق جن سے من حیث القوم ہمیں آگاہ ہونے کی ضرورت بہت زیادہ ہے، اس سے میڈیا کے صفحات اور پردۂ سکرین یکسر خالی نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں جاری جنگ کی حقیقی صورتحال کیا ہے؟ یہ جنگ درحقیقت کن عناصر کے مابین کن اصل مسائل کی بنا پر لڑی جارہی ہے؟ اس جنگ میں متاثر ہونے والوں کے حقیقی نوعیت اور ان کے مسائل کیا ہیں؟ ہمارے پڑوس افغانستان میں جاری جنگ میں دو متحارب قوتوں کا حقیقی نقشہ کیا ہے؟ وہاں کے عوام اس بارے میں کیا رائے اور رجحانات رکھتے ہیں۔ شہری زندگی اور سہولیات کس اضطراب کا شکار ہیں؟ یہ تفصیلات ہمارے میڈیا میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس ضمن میں ہماری کارکردگی یہ ہے کہ کوئی صحافی اگر اس سمت پیش قدمی کرکے براہِ راست حقیقی صورتحال سے ہمیں آگاہ کرنے کی کوششوں کا آغاز کرتا ہے، تو اس کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا ہے۔ یہ خطہ ہولناک جنگ اور سنگین انسانی المیوں سے دوچار ہے جس کا ہم براہِ راست حصہ ہیں، لیکن اس کے مستند حقائق سے ہماری واقفیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ پردۂ سکرین اور اخبارات کے صفحات پر من چاہی خبریں دکھانے کے لئے غیر ملکی سفارتخانے ہمارے صحافیوں کو نہ صرف قربت کے مواقع فراہم کرتے ہیں بلکہ اپنے خزانوں کے منہ بھی کھول دیتے ہیں جس کے بعد میڈیا کا کردار خبر واطلاع کی بجائے پروپیگنڈا کے ایک استحصالی مہرہ کے مترادف ہو جاتا ہے۔

④ ممکن ہے کہ بعض لوگ خطے میں جاری جنگ کے حوالے سے پیش کی جانے والی بہت سی خبروں کا حوالہ دیں لیکن حقیقی صورتحال یہ ہے کہ ہمارے میڈیا کی خبریں عالمی استعمار کی ابلاغی مہمات کا چربہ ہوتی ہیں۔ ہماری بہت سی خبروں کا سرچشمہ عالمی خبر رساں ادارے ہیں جو حقائق کی بجائے اس جنگ کی صورت گری اپنے نقطہ نظر سے کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف امریکہ افغانستان سے بھاگ نکلنے کی تیاریاں کرتا نظر آتا ہے تو دوسری طرف ہمیں پہنچنے والی ہر خبر میں اس کی کامیابیوں اور مجاہدین کی ناکامیوں کی داستانیں پھیلی نظر آتی ہیں۔ ایک ذمہ دار قوم اور باخبر میڈیا رکھنے کا تقاضا یہ ہے کہ اگر قومی سطح پر نہ سہی تو کم از کم ابلاغی اداروں کی سطح پر ہر حساس مقام پر براہِ راست خبر رسانی کا نظام قائم کرکے، خبریت کے حقیقی معیار کو قائم کیا جائے۔ اس کے بغیر میڈیا

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کے قومی کردار کے تقاضے قطعاً پورے نہیں ہوسکتے۔

④ یہی صورتحال اُمتِ مسلمہ کے مابین ابلاغی تعلقات کی ہے۔ ہمارا میڈیا ہمیں فرانس وجرمنی اور امریکہ وبرطانیہ کی جتنی خبریں فراہم کرتا ہے، اس کا عشر عشیر بھی مصر، ملائیشیا اور ترکی وایران کے بارے پیش نہیں کرتا۔ بہت سے مسلم ممالک مثلاً موریتانیہ، عمان اور سوڈان کی خبریں کہیں دکھائی نہیں دیتیں۔ میڈیا کے اس رجحان سے یوں لگتا ہے کہ ہم مسلم اُمہ سے کہیں زیادہ مغربی ممالک سے مربوط ومنسلک ہیں۔ ہماری فکر وتہذیب سعودی عرب وترکی سے زیادہ برطانیہ وفرانس سے جڑی ہوئی ہے۔ پاکستان کے میڈیا کو اپنے نمائندے ان ممالک میں بھی مقرر کرنا چاہئیں جن سے ہمارا نہ صرف دین وایمان کا رشتہ ہے بلکہ یہی ہماری حقیقی برادری ہیں اور ان کے ہمارے مسائل ووسائل مشترکہ ہیں۔ آج ہم امریکہ وبرطانیہ کی سیاسی وسماجی سرگرمیوں سے اس کی بہ نسبت کہیں زیادہ آگاہ ہیں جتنی آگاہی ہمیں جنوبی سوڈان اور مشرقی تیمور کے بارے میں ہے۔ یمن وصومالیہ میں جاری استعماری جنگ جو پاکستان کے حالات سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی ہے، یا عرب ممالک میں انقلابات کی لہر کی حقیقی وجوہ اور اثرات سے ہمارے میڈیا نے ہمیں برائے نام ہی باخبر کیا ہے۔

⑤ پاکستانی میڈیا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، آسانی سے ملنے والی خبری خوراک پر زیادہ انحصار کرتا ہے۔ عالمی خبررساں ایجنسیاں جس سٹوری کو چاہیں، اِس میڈیا کی بآسانی زینت بنا سکتی ہیں۔ اپریل کے مہینے میں پاکستانی میڈیا کو عالمی ایجنسیوں نے برطانوی شہزادہ ولیم چارلس کی شادی کی تیار تفصیلات فراہم کیں اور ہمارے مین سٹریم میڈیا نے اِلا ماشاء اللہ پورا دن اور اس کے بعد کے ای ام، اخبارات کے پورے کے پورے صفحات اس شادی کی نذر کردیے۔ لمحے لمحے کی خبر اور ہر سین کو بہ تکرار نشر کرنے سے یوں محسوس ہوا کہ پاکستانیوں کے کسی انتہائی محبوب اور محسن وخیرخواہ شہنشاہِ سلامت کی شادی کے ان بابرکت لمحات میں تمام پاکستانیوں کی پوری توجہ وانہماک ازبس ضروری ہے۔ جبکہ شہزادے کی اس شادی کو یوں دنیا بھر میں پھیلانا برطانوی ثقافتی ایجنڈے کا حصہ تھا، یہی وجہ ہے کہ آسٹریلین ٹی وی، جس نے اس شادی کے ساتھ بعض لطیف مزاح بھی نشر کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو برطانوی حکومت نے اس کو یہ شادی ریلیز کرنے کا لائسنس کینسل کردیا۔

تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اُسامہ بن لادن کی شہادت کا مسئلہ سامنے آیا تو پاکستانی میڈیا

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

صہیونی میڈیا کا ہم آواز بن گیا۔ کہیں سے یہ خبر سامنے نہ آئی کہ اُسامہ بن لادن تو نائن الیون کے واقعہ کا ایسا ملزم ہے جس پر الزام کی کوئی مستند شہادت موجود نہیں۔ اگر نائن الیون پر چند سو امریکی شہری جان سے گزر گئے تو امریکہ نے اس کے بدلے لاکھوں انسان اور بستیوں کی بستیاں ڈیزی کٹر بموں سے تباہ و برباد کر دیں۔ اسامہ بن لادن کی شہادت کے پروپیگنڈے کو میڈیائی ذرائع کے ذریعے اس تکرار سے دہرایا گیا کہ ہر شخص کو اسے تسلیم کرتے ہی بنی۔ کیا یہ امر واقعہ بھی تھا؟ اس پر ڈھکی چھپی سرگوشیاں سنائی تو دیں لیکن ہمارے میڈیا کا مین سٹریم موقف مغربی میڈیا سے بھی ایک قدم آگے رہا۔ ہمارا میڈیا جو ہر کس و ناکس کو بلا تکان شہید قرار دیتا ہے، اُسامہ بن لادن کے لئے 'شہید' کا لفظ استعمال کرنے سے ڈر گیا۔ اربابِ میڈیا کا قلم اور ان کی زبان ملکی و ملی مقاصد کی محافظ ہے اور اسی ناطے اس کے تقدس کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ اگر میڈیا کی زبان و قلم قوم کو منتشر و گمراہ اور موج مستی میں غرق کرنے کا منصب سنبھال لے تو اسے سنگین قومی جرم اور بدترین گناہ سمجھا جانا چاہئے۔

⑥ پاکستانی میڈیا کے بعض اداروں نے ابلاغ کی اس حساس ذمہ داری کو جسے کبھی نبوی ذمہ داری اور کبھی قلم کی حرمت کا نام دیا جاتا ہے، مادی مفادات کے لئے استعمال کرنے کا بدترین سلسلہ بھی شروع کر رکھا ہے۔ انسانی جسم کی طرح کسی قوم کے ذہن و نظریہ سے کھیلنا اور اس کو قابل فروخت شے سمجھنا انتہائی قابل نفرت اور مذموم و مکروہ رجحان ہے۔ کبھی ہمارے میڈیا پر پاک بھارت دوستی کے یک طرفہ پروپیگنڈے کو جگہ دی جاتی ہے تو کبھی پاکستان کے ایک قومی ریاست ہونے کے انتہا پسندانہ نظریے کو۔ کبھی اسلامی قوانین کے خلاف مجنونانہ مہم جوئی شروع کر دی جاتی ہے تو کبھی مجاہدین و اسلام پسندوں کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈا۔ باخبر لوگ جانتے ہیں اور میڈیا کے ارباب کو بھی یہ مغالطہ لاحق نہیں کہ یہ مہمات نظریات کی بجائے، مادی ترغیبات کی بنا پر عوام کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ بعض ٹی وی چینلز کو دیکھ کر یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ ان کو پیش کرنے والوں کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

اسلامی شعائر کے مذاق کی صورتحال یہاں تک ہے کہ دعا ایسے مقدس دینی تصور اور داڑھی جیسے نبوی شعار کا مسلسل مذاق اُڑایا جاتا ہے۔ ایک ٹی وی پروگرام میں تو امام مسجد کی روایتی وضع قطع والے شخص کو فیشن و فلم انڈسٹری کا بے باک میزبان بنا کر پیش کر دیا گیا۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

گویا جس طرح یورپی ممالک میں نبی کریم ﷺ کے خاکے بنائے جاتے ہیں، اس طرح منصبِ نبوت کا پاکستان کے مقبول چینلوں پر سر عام مذاق اُڑایا جاتا ہے۔

⑦ میڈیا بڑی ذمہ دار جگہ پر ہے اور اس کو پیش کرنے والے حضرات ایسے ہونے چاہئیں جن کی رائے قومی رجحانات کی آئینہ دار ہو۔ ایسے افراد جو خود معاشرے میں قبولیت نہ رکھتے ہوں اور اُنہیں قومی رجحانات سے ہم آہنگ نہ سمجھتے ہوئے انتہاپسند قرار دیا جاتا ہو، ان کو بعض پروگراموں کی میزبانی سونپ دینا، دراصل ان کے منفی ذہن کو عوام پر مسلط کرنے کی مذموم کوشش ہے۔ جب دن بھر کی خبریں کسی انتہاپسند کے تجزیے کی چھلنی سے گزارتے ہوئے عوام کے سامنے پیش کی جاتی ہیں تو گویا اس طرح عوام پاکستان کو ان خبروں کا وہ پہلو دکھایا جاتا ہے جو ایک انتہاپسند اپنے سامنے رکھتا ہے۔ عوامی ذہن سازی کی یہ صہیونی تدبیر ہے۔ ایسے انتہاپسند دن بھر میں گزرنے والے حساس واقعات کی جو تعبیر کرتے ہیں، اسے اہل پاکستان کے ایک انتہائی قلیل اقلیت کا موقف قرار دیا جاسکتا ہے۔ پاکستانی میڈیا پر روزمرہ مسائل پر جاری ایسے تبصرہ وجائزہ پروگراموں کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ پاکستانی عوام کو بھی ایسے ہی مخصوص زاویۂ نظر کا عادی بنایا جائے۔ اسی طرح اشتہارات کی دوڑ میں کامیابی کے لئے مخالف ممالک کی فلمیں اور ڈرامے بھی نشر کرنا پڑیں تو میڈیا کے جذبہ حب الوطنی یا ملی غیرت پر کوئی ضرب نہیں لگتی۔ پاکستان کی ٹی وی سکرین وہ سب کچھ پیش کر رہی ہے، جو اسلام کے سراسر خلاف تو ہے ہی، ہماری مشرقی اقدار میں بھی اُنہیں گوارا نہیں کیا جاسکتا۔ اس میڈیا نے اسلام اور اہل اسلام کو معاشرے میں اجنبی بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور قوم کو مغرب کی مادر پدر آزاد اور فحش ومادہ پرست تہذیب سے جوڑنے میں پوری صلاحیتیں صرف کر دی ہیں۔ یقین نہ آئے تو چند گھنٹے ٹی وی سکرین کے سامنے گزار لیں، پردۂ سکرین سے محظوظ ہونے والے شخص کے رجحان اور طرزِ فکر پر اس میڈیا کی گہری چھاپ آپ کو ضرور دکھائی دے گی۔

⑧ مقبول عام میڈیا کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ عالمی نشریاتی اداروں کا اس کے وقت کو خرید کر اپنے ابلاغی پروپیگنڈے کے لئے استعمال کرنے کا رجحان بڑھتا جارہا ہے۔ مثال کے طور پر وائس آف امریکہ یا بی بی سی، ان اقوام کے نشریاتی ادارے ہیں جو پاکستان میں

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اپنا ایک مخصوص ایجنڈا رکھتی ہیں۔ ان اداروں کی ویب سائٹوں پر نشر ہونے والی خبروں میں یہ ایجنڈا بآسانی نظر آجاتا ہے۔ اوّل تو پاکستانی میڈیا کی حساس خبروں کا سرچشمہ پہلے ہی عالمی مغربی یا صیہونی میڈیا ہے، اس کے بعد باقی ماندہ خبریں یہ دونوں ادارے ملک کے مقبول ٹی وی چینلز کے مصروف اوقات خرید کر پاکستانی عوام کے ذہن میں انڈیلتے رہتے ہیں۔ جس طرح ہماری حکومتیں مالی ترغیبات کی بنا پر قومی فیصلے تبدیل کر دیتی ہیں، اسی طرح ہمارے ابلاغی ادارے بھی اوقات کی فروخت کے ذریعے اپنے حساس منصب کی قیمت وصول کر کے عوام کے معصوم ذہن کو دشمنوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اربابِ میڈیا کو اس پہلو سے بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔

⑨ پاکستانی میڈیا خبروں کے انتخاب میں بھی بعض مذموم مقاصد کا آلہ کار بنا ہوا ہے۔ خبروں کی منتخب اور من چاہی اخلاقیات، میڈیا کے پیشہ وارانہ فرائض سے انحراف ہے۔ پاکستان میں جب کوئی حادثہ بم دھماکے یا خود کش حملے کی صورت میں ہوتا ہے تو اس کی شدت کو پوری طرح اُجاگر کیا جاتا ہے، اس سے متاثر ہونے والے معصوموں کے الم ناک تاثرات بار بار دکھائے جاتے ہیں، جبکہ پاکستان کے انہی معصوم شہریوں پر اگر ڈرون حملے کے ذریعے ناجائز طور پر بم گرایا جائے تو اس کی ایک سطری خبر ہی کافی سمجھ لی جاتی ہے۔ گویا وہاں مرنے والوں کے بارے میں از خود یہ طے کر لیا جاتا ہے کہ یا تو وہ مجرم تھے یا ان کا مرجانا کوئی سنگین مسئلہ ہی نہیں ہے۔ حالانکہ کسی پاکستانی کے قانونی حقوق اور انسانی تعلق کے ناطے دونوں نوعیت کے واقعات میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہئے۔ آج ہمارا ملک اگر بہت سے لاینحل مسائل کا شکار بنا ہوا ہے تو اس سلسلے میں سے میڈیا کی مادہ پرستانہ پالیسی اور خبری انتخاب کو بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ممکن ہے کہ مذکورہ بالا اعتراضات کے بارے میں یہ کہا جائے کہ یہ مسائل میڈیا کو ایک خاص طرزِ فکر کا پرچارک بنانے کے لئے تجویز کئے گئے ہیں، حالانکہ میڈیا تو کسی کا نمائندہ نہیں بلکہ نیوٹرل ہوتا ہے۔ لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ میڈیا کے نیوٹرل ہونے کا دعویٰ صرف لفظی بازی گری ہے۔ دنیا میں کوئی میڈیا مخصوص نظریات سے خالی نہیں ہوتا، حتیٰ کہ نظریات کی ترویج سے خالی ہونے کی کوشش بھی بذاتِ خود ایک نظریہ ہے۔ جب کوئی میڈیا یہ سوچ لے کہ وہ اپنے پیغام میں مذہب کو داخل نہیں کرے گا، تو پھر وہ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

لازماً لامذہبیت کا پرچار کرے گا جس سے مذہب کے بارے نفرت پیدا ہوگی۔ حالانکہ مذہب کا انکار یا عدمِ وجود، اِلحاد و دہریت ہے جو اسلام کی رو سے ناقابل قبول ہے۔

ہر قوم اپنے میڈیا کو، ان مقاصد کے پیش نظر مرتب و منظم کرتی ہے جو اس کے مرکزی قومی رجحانات سے ہم آہنگ ہو۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ میڈیا کی نگرانی کرنے والے ادارے قومی مقاصد یا مغربی اہداف مثلاً انسانی حقوق کے تحفظ کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن اسلامی یا ملی اہداف کو کسی قطار شمار میں نہیں لاتے کیونکہ یہ ان کی نظر میں سیکولرزم کے خلاف ہے۔ جبکہ اسلام نے میڈیا کو اللہ کی طرف بلانے، خیر کو رواج دینے اور فحاشی و جھوٹ کے خاتمے کے لئے استعمال کرنے کی تلقین کی ہے۔ ہمارا موجودہ میڈیا بھی خالی الذہن یا نیوٹرل سطح پر نہیں، بلکہ جہاں پر اسلامی اہداف پیش نظر نہ ہوں تو اس کے ماسوا اہداف غیر اسلامی ہی ہوں گے۔ اربابِ میڈیا کو اس سمت بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ہمارا حسن ظن ہے کہ پاکستان کے اکثر میڈیا مالکان ملحد یا دہریے اور مذہب دشمن نہیں بلکہ ان کے بزنس منیجروں نے ان کو ابلاغی گناہوں کی دلدل میں دھنسا رکھا ہے اور اگر وہ معمولی توجہ کریں تو متوازن اور ذمہ دار ابلاغی کردار انجام دے سکتے ہیں۔

تین درجن سے زائد ٹی وی چینلوں کے اس دور میں پرنٹ میڈیا کی اہمیت کسی طرح کم نہیں ہوئی، اور ٹی وی چینلوں کی وجہ سے مطالعہ کی صلاحیت یا رغبت نہ رکھنے والا طبقہ بھی میڈیا کا مخاطب بن گیا ہے۔ ٹی وی کی خبر ذہن سے محو ہو جاتی ہے جبکہ کاغذ پر ثبت تحریر اپنا گہرا نقش چھوڑتی ہے۔ آج بھی ٹی وی میڈیا کے ذریعے زیادہ تر تفریحی اور فوری مقاصد اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے تحقیقی اور سنجیدہ اہداف پورے کئے جاتے ہیں۔ میڈیا کو جو قوت اس دور میں حاصل ہے، اسی کے ناطے اس کی ذمہ داری بھی بہت بڑھ جاتی ہے۔ پاکستان میں گذشتہ عشرے میں جو تباہی اور بربادی ہر میدان میں دیکھنے میں آئی ہے، اس کے مداوے اور خاتمے کے لئے میڈیا نے کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی بلکہ قوم کو لہو ولعب کا شکار کرنے میں اپنا حصہ ڈال کر ملی تخریب میں حصہ لیا ہے۔ آج اس مادر پدر آزاد میڈیا کی بدولت غلبہ اسلام کی منزل مزید دور دکھائی دیتی ہے۔ اربابِ میڈیا کا بھی ملتِ اسلامیہ کے باشعور اور ذمہ دار عنصر ہونے کے ناطے یہ فرض بنتا ہے کہ اپنی قوم کی صحیح سمت میں تیاری اور درست تربیت کریں کیونکہ اُنہیں بھی روزِ محشر اپنے ربّ ذوالجلال کے سامنے اس کا جواب دہ ہونا ہے!　(ڈاکٹر حافظ حسن مدنی)

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

فاروق رفیع[1]

نیند کے مستحب، مکروہ اور ممنوع اَوقات

احادیثِ نبویہؐ کی روشنی میں

اللہ مالک الملک اپنی تمام مخلوقات پر بالعموم اور انسانوں پر بالخصوص بڑا ہی مہربان اور نہایت شفیق ہے۔ اس ذاتِ مقدسہ نے انسانی زندگی کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا جس میں انسان کی خیر خواہی اور ہمدردی موجود نہ ہو۔ کتاب و سنت کے دلائل سے انسان کے لیے ایک روشن راہ کا تعین کیا، جس کی اتباع میں سراسر خیر و فلاح ہے، اس کے ساتھ انسانی عوارض اور کمزوریوں کا بھی خاص خیال رکھا ہے اور ان عوارض اور کمزوریوں کے اِزالہ کے لیے انسان کی بہترین راہنمائی کی گئی ہے۔

انسانی عوارض میں سے ایک عارضہ نیند ہے۔ اس کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے بطورِ احسان رات اور دن کی تقسیم کی، پھر دن کو کمائی کا ذریعہ بنایا اور دن بھر کی تھکاوٹ دور کرنے اور جسمانی آرام و سکون کے لیے رات کا انتخاب فرمایا۔ یوں انسان دن بھر کے کام کاج اور مالی و معاشی دوڑ دھوپ کے بعد رات کو آرام کرلے تو دن بھر کی تھکاوٹ کافور ہو جاتی اور وہ اگلے دن کے کاموں کے لیے تازہ دم اور بشاش ہو جاتا ہے۔ یوں زندگی کا پہیہ رواں رہتا ہے اور انسانی زندگی آرام و سکون اور اطمینان سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتی ہے۔ نیز دن کی تکان کو مزید کم کرنا اور زندگی کی نئی تازگی کے لیے دوپہر کے آرام کو ودیعت کیا کہ قیلولہ (دوپہر کے آرام) سے انسان تازہ دم ہو کر دن کا باقی حصہ ہشاش بشاش گزار سکتا ہے۔

پھر شریعت نے اہل اسلام کو نیند کے مسئلہ میں بھی معتدل نظام دیا ہے جس میں افراط و تفریط کے پہلو سے بچنے کی تاکید ہے اور نیند میں بھی اعتدال و میانہ روی اختیار کرنے کی تلقین ہے کہ نہ تو تارک الدنیا افراد کی طرح نیند سے بالکل پرہیز درست ہے اور نہ دنیادار

1 ریسرچ سکالر مجلس التحقیق الاسلامی، ماڈل ٹاؤن، لاہور

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

بے دین افراد کی طرح گھوڑے بیچ کر سونا جائز ہے کہ عبادات ہی ترک کر دی جائیں اور انسانیت کی تخلیق کا مقصد ربِ تعالیٰ کی عبادت بجا لانا ہی فوت ہو جائے، بلکہ نیند کے اوقات کی تقسیم کار ایسی ہے کہ نیند بھی پوری ہو اور عبادت اور دیگر ضروریات سے بھی احسن انداز سے عہدہ برآ ہوا جاسکے۔ دلائل شرعیہ کی رو سے اوقات نیند کو تین حصوں (مستحب، مکروہ اور ممنوع اوقات) میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

نیند کے مستحب اوقات

کتاب و سنت کے دلائل کی رو سے دن رات کے دو اوقات میں (۱) رات نمازِ عشاء کے بعد سے طلوعِ فجر تک اور (۲) دوپہر کو قیلولہ (نمازِ ظہر سے پہلے یا بعد میں کچھ دیر ستانا) سونا مستحب ہے۔ ان اوقات میں نیند کا اہتمام کرنے والا دن رات میں سستی، کاہلی اور اکتاہٹ کا بالکل شکار نہیں ہوتا۔ دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) رات کی نیند

رات کو نمازِ عشاء کے بعد سے لے کر فجر تک سونا جائز و مباح ہے اور کتابِ مقدس میں رات کی نیند کو عظیم نعمت اور احسان شمار کیا گیا ہے۔ اسے آرام و سکون کا باعث قرار دیا گیا ہے تاکہ نیند سے تازہ دم ہو کر انسان دینی و دنیاوی حقوق کو کما حقہ ادا کر سکے۔

① ان دلائل کی رو سے رات کو سونا مستحب عمل ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا﴾[1]

"(اللہ تعالیٰ) وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے رات کو پردہ اور نیند کو راحت بنایا اور دن کو اُٹھ کھڑا ہونے کا وقت بنایا۔"

② ﴿وَمِنْ رَّحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

"اور اس نے اپنی رحمت ہی سے تمہارے لیے رات اور دن بنایا تاکہ تم اس میں

۱ الفرقان: ۴۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

آرام کرو اس کے فضل میں سے کچھ تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔"[1]

③ ﴿وَ مِنۡ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمۡ بِالَّیۡلِ وَ النَّهَارِ وَ ابۡتِغَآؤُكُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّسۡمَعُوۡنَ﴾[2]

"اور اس کی نشانیوں میں سے ہے تمہارے لیے رات اور دن کا سونا اور اس کے فضل سے کچھ تلاش کرنا۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔"

یہ آیات دلیل ہیں کہ رات کی نیند اللہ تعالیٰ کی نعمتِ عظمیٰ ہے جس کا اہتمام کرنا نعمتِ الٰہی کی قدر دانی اور شکر سپاسی ہے اور جسے ترک کرنا قطعاً درست نہیں۔ حتیٰ کہ عبادات کی خاطر تمام رات کی نیند یکسر تج کرنا اور شب زندہ داری کا دائمی معمول بنالینا ناجائز ہے۔ اس کی تردید آئندہ حدیث سے عیاں ہے۔ حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں:

جاء ثلاثة رهط إلى بيوت أزواج النبي ﷺ يسألون عن عبادة النبي ﷺ، فلما أخبروا كأنهم تقالوها. فقالوا: وأين نحن من النبي ﷺ؟ قد غفر الله له ما تقدم من ذنبه وما تأخر. فقال أحدهم: أما أنا فأنا أصلي الليل أبدًا، وقال الآخر: أنا أصوم الدهر ولا أفطر، وقال آخر: أنا أعتزل النساء فلا أتزوج أبدًا، فجاء إليهم رسول الله ﷺ وقال: «أنتم الذين قلتم كذا وكذا،أما والله! إني لأخشاكم لله وأتقاكم له ولكني أصوم وأفطر، وأصلي وأرقد، وأتزوج النساء، فمن رغب عن سنتي فليس مني.»[3]

"تین آدمی نبی ﷺ کی عبادت کے متعلق پوچھنے کے لیے ازواجِ مطہرات کے گھروں میں آئے اور جب انہیں (آپ کی عبادات کے بارے میں) خبر دی گئی تو گویا اُنہوں نے اسے کم سمجھا اور کہا: ہماری نبی ﷺ سے کیا نسبت؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک آدمی نے کہا: میں تو ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا، دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی روزہ ترک نہ کروں گا، تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا اور

---

1 القصص:۷۳
2 الروم:۲۳
3 صحیح بخاری:۵۰۶۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کبھی شادی نہ کروں گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: تم نے ایسی ایسی باتیں کی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ ڈرنے والا اور سب سے زیادہ متقی ہوں۔ لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور روزہ چھوڑتا بھی ہوں۔ (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، میں نے عورتوں سے شادی بھی کی ہے، سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں۔"

مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ رات کو سونا افضل عمل ہے اور اگر کوئی نمازِ تہجد وغیرہ کا اہتمام کرنا چاہتا ہے تو وہ بھی رات کے کچھ حصہ میں نیند ضرور کرلے۔ کلیتاً رات کی نیند ترک کردینا اور اسے تقویٰ و پرہیزگاری کی علامت سمجھنا کتاب و سنت کے دلائل سے صریح انحراف ہے۔

(۲) قیلولہ (دوپہر کا آرام)

جس طرح دن بھر کی تھکاوٹ سے چور ہو کر انسان رات کو بستر ڈھونڈتا ہے اور رات کی نیند اس کی تھکاوٹ دور کرکے اسے تازہ دم کردیتی ہے، اسی طرح دوپہر کی نیند (قیلولہ) انسان کی صحت و طبیعت پر اچھے اثرات چھوڑتی ہے اور دوپہر کی گھنٹہ دو گھنٹے کی نیند انسان میں نئی تازگی اور نشاط پیدا کرتی ہے کہ باقی دن کام کاج کرنا اس کے لیے انتہائی آسان ہوجاتا ہے۔ انسانی طبیعت میں فرحت و تازگی پیدا کرنے کے پیشِ نظر کتاب و سنت کے دلائل سے دوپہر کی نیند کو مستحب قرار دیا گیا ہے:

① اِرشادِ ربانی ہے: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾[1]

"اور اس کی نشانیوں میں سے ہے تمہارا رات اور دن کو سونا۔"

اس آیت میں دن کی نیند سے مراد قیلولہ ہے۔ ابن عاشور آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فالناس ينامون بالليل ومنهم من ينام بالنهار في القائلة وبخاصته أهل الأعمال المضنية إذا استراحوا منها في منتصف النهار خصوصًا في البلاد الحارة أو في فصل الحر[2]

---

۱ یونس:۶۷

۲ التحریر والتنویر:۲۱/۳۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اس آیت کا مستدل یہ ہے ”لوگ رات کو محوِ خواب ہوتے ہیں اور بعض لوگ دن کو قیلولہ کے وقت نیند کرتے ہیں۔ بالخصوص اعمالِ شاقہ انجام دینے والے زہاد، کیونکہ وہ استراحت کی خاطر دوپہر کو سوتے ہیں اور گرم علاقوں میں یا موسم گرما میں بھی بطورِ خاص قیلولہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔“

تفسیر الدرر المصون میں اسی آیت کی تفسیر یوں ہے:

والنوم بالنهار مما كانت العرب تعده نعمة من الله ولا سيما في أوقات القيلولة في البلاد الحارة[1]

”اہل عرب دوپہر کی نیند کو اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام شمار کرتے تھے اور خصوصاً گرم ممالک میں قیلولہ عظیم نعمت ہے۔“

② یہ آیت بھی قیلولہ کے جواز و استحباب کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لِيَسْتَـْٔذِنكُمُ ٱلَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَٰنُكُمْ وَٱلَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا۟ ٱلْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَٰثَ مَرَّٰتٍ ۚ مِّن قَبْلِ صَلَوٰةِ ٱلْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ ٱلظَّهِيرَةِ وَمِنۢ بَعْدِ صَلَوٰةِ ٱلْعِشَآءِ ۚ ثَلَٰثُ عَوْرَٰتٍ لَّكُمْ ﴾[2]

”اے ایمان والو! تمہارے زیر ملکیت غلام اور وہ بچے جو بلوغت کو نہیں پہنچے تین اوقات میں تم سے اجازت طلب کریں۔ نمازِ فجر سے قبل اور ظہر کے وقت جب تم (آرام کے لیے) اپنے کپڑے اتارتے ہو اور نمازِ عشاء کے بعد یہ تین اوقات پردہ کے ہیں۔“

اس آیت میں ظہر کا آرام اہل ایمان کی عادت قرار دیا گیا ہے۔ سو یہ عمل مستحب ہے جس کا اہتمام جسمانی راحت و فرحت کا باعث ہے۔

احادیث مبارکہ میں نبی ﷺ اور صحابہ کرام کا معمول مذکور ہے کہ یہ حضرات بھی قیلولہ کے عادی تھے اور سفر و حضر میں قیلولہ کی پابندی ان کا شعار تھا۔

③ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

أن أم سليم كانت تبسط للنبي ﷺ نطعا فيقيل عندها على ذلك

---

1 الدرر المصون فی علم الکتاب: ۱/۷ ۴۰۳

2 النور: ۵۸

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

النطع....[1]

''اُمّ سلیم نبی ﷺ کے لیے ایک چمڑے کا بچھونا بچھاتیں تو آپؐ ان کے ہاں اسی چمڑے کے بچھونے پر دوپہر کو آرام کرتے تھے۔''

④ سہل بن سعد بیان کرتے ہیں: ما کنا نقیل ولا نتغدی إلا بعد الجمعة[2]

''ہم (عہدِ رسالت میں) نمازِ جمعہ کے بعد ہی قیلولہ اور دوپہر کا کھانا تناول کیا کرتے تھے۔''

یعنی صحابہ کرام کے قیلولہ کا عام معمول نمازِ ظہر سے قبل ہوتا تھا لیکن جمعہ کی تیاری اور ادائیگی کی وجہ سے جمعہ کے دن اسے نمازِ جمعہ سے مؤخر کردیتے تھے۔

⑤ سائب بن یزید سے مروی ہے، کہتے ہیں:

وکان عمر رضی الله عنه یمربنا نصف النهار أو قریبًا منه فیقول: قوموا فقیلوا فما بقی فللشیطان[3]

''عمر رضی اللہ عنہ دوپہر کو ہمارے پاس سے گزرتے تو کہتے: اُٹھو (جاکر) قیلولہ کرو۔ اس وقت کا باقی حصہ شیطان کے لیے ہے (یعنی شیطان اس وقت قیلولہ نہیں کرتا)۔''

⑥ درج بالا آیات و احادیث اور آثار قیلولہ (دوپہر کے آرام) کے مستحب ہونے کے دلائل ہیں اور نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ عمل اتنا پسند تھا کہ دورانِ سفر بھی قیلولہ کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

أنه غزا مع رسول الله ﷺ قبل نجد، فلما قفل رسول الله ﷺ قفل معه فأدرکتهم القائلة في واد کثیر العضاة، فنزل رسول الله ﷺ وتفرق الناس یستظلون بالشجر، فنزل رسول الله ﷺ تحت شجرة وعلق به سیفه ونمنا نومة فإذا رسول الله ﷺ یدعونا وإذا عنده أعرابي، فقال: «إن هذا اخترط عليّ سیفي وأنا نائم فاستیقظت وهو في یده صلتاً فقال: من یمنعك مني؟ فقلت: الله،

1 صحیح بخاری: ۶۲۸۱

2 ایضاً: ۹۳۹، صحیح مسلم: ۸۵۹

3 الأدب المفرد: ۱۲۳۹ علامہ البانی نے صحیح الأدب المفرد میں اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے کیونکہ سعید بن عبدالرحمٰن جحشی صدوق راوی ہے اور باقی تمام رواۃ ثقہ ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ثلاثًا» ولم یعاقبه وجلس[1]

"وہ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں نجد کی طرف ایک غزوہ میں شریک ہوئے اور جب رسول اللہ ﷺ واپس پلٹے تو وہ بھی آپؐ کے ساتھ تھے۔ چنانچہ (واپسی پر) ایک کانٹے دار جھاڑیوں والی وادی میں قیلولے کا وقت ہوگیا تو آپؐ نے وہاں نزول کیا اور لوگ درختوں کا سایہ حاصل کرنے کے لیے منتشر ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے اُترے اور اس کے ساتھ اپنی تلوار لٹکا دی۔ ہم تمام گہری نیند سوگئے تو اچانک رسول اللہ ﷺ ہمیں پکارنے لگے اور ناگہاں وہاں ایک دیہاتی موجود تھا۔ آپؐ نے فرمایا: میں سویا تھا کہ اس نے مجھ پر تلوار سونتی تو میں بیدار ہوگیا اور اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ اس نے کہا: تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا: اللہ (مجھے بچائے گا) آپؐ نے یہ کلمات تین مرتبہ کہے۔ (اس پر اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی) آپؐ نے اسے کوئی سزا نہ دی اور آپؐ بیٹھ گئے۔"

مکروہ اَوقات

نیند کے کچھ اوقات مکروہ ہیں جن میں سونا ناپسندیدہ عمل اور بیدار رہنا مستحب فعل ہے لہٰذا ان اوقات میں نیند سے اجتناب کرنا افضل ہے:

(۱) نمازِ مغرب کے بعد

نمازِ مغرب کے بعد اور قبل از عشاء سونا مکروہ فعل ہے، کیونکہ اس وقت کی نیند سے نماز عشاء کے افضل وقت یا تمام وقت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا شریعت نے اس وقت کی نیند کو مکروہ قرار دیا ہے۔ ابوبرزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أن رسول الله ﷺ كان يكره النوم قبل العشاء والحديث بعدها.[2]

"بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نمازِ عشاء سے قبل نیند اور نماز عشاء کے بعد گفتگو کرنا ناپسند کرتے تھے۔"

امام ترمذی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

وقد كره أكثر أهل العلم النوم قبل صلاة العشاء والحديث بعدها

---

۱ صحیح بخاری: ۲۹۱۰

۲ صحیح بخاری: ۵۶۸، سنن ابی داود: ۴۸۴۹، جامع ترمذی: ۱۶۸

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ورخص في ذلك بعضهم وقال عبدالله بن المبارك: أكثر الأحاديث علىٰ الكراهة، ورخص بعضهم في النوم قبل صلاة العشاء في رمضان[1]

"اکثر علما نے عشاء سے پہلے سونے اور عشاء کے بعد گفتگو کرنے کو ناپسند کیا۔ البتہ بعض علما نے اس میں رخصت دی اور عبد اللہ مبارک فرماتے ہیں کہ اکثر احادیث اس (عشاء سے قبل نیند اور بعد میں گفتگو) کے مکروہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں تاہم کچھ علما نے رمضان میں قبل از عشاء سونے کی رخصت دی ہے۔"

حدیث الباب مطلق ہے اور کسی نص کے بغیر اس کی تقیید و تعیین نامناسب ہے، لہٰذا راتیں چھوٹی ہوں یا لمبی، رمضان کا مہینا ہو یا غیر رمضان، نماز عشاء سے قبل سونا نامناسب ہے اور یہ عمل مکروہ ہی متصور ہوگا۔ البتہ نیند کا شدید غلبہ ہو اور نماز عشاء کے اصل وقت کے فوت ہونے کا اندیشہ بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں قبل از عشاء سونے کی رخصت ہے۔ اس جواز کے لیے امام بخاری نے صحیح بخاری میں درج ذیل عنوان قائم کیا ہے: "باب النوم قبل العشاء لمن غلب" (نیند سے مغلوب شخص کے لیے عشاء سے قبل سونے کے جواز کا بیان) پھر اس باب کے تحت مندرجہ ذیل کچھ روایات ذکر کی ہیں جس میں نیند کے غلبہ کی صورت میں قبل از عشاء سونے کا جواز ہے:

① حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، وہ بیان کرتی ہیں:

أعتم رسول الله ﷺ بالعشاء حتى ناداه عمر الصلاة، نام النساء والصبيان، فخرج فقال: ما ينتظرها أحد من أهل الأرض غيركم[2]

"(ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ نے نمازِ عشاء مؤخر کر دی حتیٰ کہ عمرؓ نے نماز کے لیے آواز دی جبکہ عورتیں اور بچے سو چکے تھے۔ پھر آپؐ نماز کے لیے نکلے اور فرمایا: اہل زمین میں سے تمہارے سوا اس نماز کا کوئی بھی انتظار نہیں کر رہا۔"

② عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

أن رسول الله ﷺ شغل عنها ليلة فأخرها حتى رقدنا في المسجد،

1 جامع ترمذی: زیر حدیث: ۱۶۸
2 صحیح بخاری: ۵۶۹

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ثم استيقظنا، ثم رقدنا، ثم استيقظنا، ثم خرج علينا النبي ﷺ ثم قال: ليس أحد من أهل الأرض ينتظر الصلاة غيركم وكان ابن عمر لا يبالي أقدمها أم أخرها إذا كان لا يخشي أن يغلبه النوم عن وقتها، وكان يرقد قبلها[1]

"رسول اللہ ﷺ ایک رات نمازِ عشاء سے غافل ہوگئے اور اسے اتنا مؤخر کیا کہ ہم مسجد میں سوگئے، پھر ہم بیدار ہوئے اور پھر سوگئے۔ اس کے بعد نیند سے جاگے پھر نبی ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اہل ارض میں سے کوئی بھی تمہارے سوا اس نماز کا انتظار نہیں کر رہا ہے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نمازِ عشاء کی تقدیم و تاخیر میں کچھ پروانہ کرتے تھے بشرطیکہ نیند کے غلبہ کی وجہ سے اس کے وقت کے فوت ہونے کا خطرہ نہ ہوتا اور وہ نمازِ عشاء سے قبل سوجایا کرتے تھے۔"

نمازِ مغرب کے بعد اور نماز عشاء سے قبل سونا مکروہ ہے۔ البتہ نیند کے غلبہ کی وجہ سے نمازِ عشاء سے قبل سونا جائز ہے۔ بشرطیکہ نماز عشاء کے اصل وقت کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر نیند میں انہماک کی وجہ سے عشاء کے وقت نماز کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو نماز عشاء پڑھ کر سونا بہتر ہے۔

۲) نمازِ فجر کے بعد

نمازِ فجر کے بعد ذکر و اذکار میں منہمک ہونا، طلوعِ فجر تک مسجد میں بیٹھ کر تلاوتِ قرآن اور اذکارِ مسنونہ کا اہتمام کرنا افضل عمل ہے اور اگر نیند کا غلبہ اور تھکاوٹ نہ ہو تو اس وقت سونا ناپسندیدہ فعل ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علماے سلف رحمہم اللہ کا وتیرہ تھا کہ وہ اس وقت اَوراد و وظائف کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ البتہ نمازِ فجر کے بعد نیند کو ناجائز سمجھنا درست نہیں کیونکہ نمازِ فجر کے بعد نیند کی ممانعت کی احادیث کمزور و ناقابل احتجاج ہیں، جنہیں ہم مضمون کے آخر میں بالاستیعاب نقل کریں گے۔ سو نمازِ فجر کے بعد سونے کا جواز تو ہے، لیکن اس وقت بیدار رہنا اور اذکار کا اہتمام کرنا مستحب و افضل عمل ہے:

① جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

---

1 ایضاً: ۵۷۰

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

أن رسول الله ﷺ كان إذا صلى الفجر جلس في مصلاه حتى تطلع الشمس حسناً[1]

"یقیناً رسول اللہ ﷺ جب نمازِ فجر ادا کرتے تو آپؐ اپنی جائے نماز پر بیٹھے رہتے حتیٰ کہ سورج اچھی طرح طلوع ہو جاتا۔"

② جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

كان لا يقوم من مصلاه الذي يصلي فيه الصبح أو الغداة حتى تطلع الشمس، فإذا طلعت الشمس قام، وكانوا يتحدثون، فيأخذون في أمر الجاهلية، فيضحكون ويتبسم.[2]

"رسول اللہ ﷺ اپنے اس مقامِ نماز سے جہاں نمازِ فجر ادا کرتے، طلوعِ آفتاب سے قبل نہ اُٹھتے تھے۔ چنانچہ جب آفتاب نمودار ہوتا تو آپؐ اُٹھ پڑتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (طلوعِ آفتاب کے بعد) گپ شپ لگاتے اور دورِ جاہلیت کے واقعات بیان کرتے، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہنستے اور آپؐ مسکراتے تھے۔"

حدیثِ مذکور کی شرح میں امام نووی بیان کرتے ہیں:

"نمازِ فجر کے بعد ذکر کرنا اور جائے نماز پر ہی بیٹھے رہنا مستحب فعل ہے بشرطیکہ کوئی عذر ہو۔ قاضی عیاض کہتے ہیں: سلف صالحین اور علما کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اس وقت (نمازِ فجر کے بعد) ذکر و اذکار اور ادعیہ میں مصروف رہتے تھے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جاتا۔ دورِ جاہلیت اور اُمم سابقہ کے واقعات بیان کرنا جائز ہے اور ہنسنا بھی درست ہے البتہ مسکرانا افضل ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا اکثر معمول تھا۔"[3]

③ ابو وائل بیان کرتے ہیں:

غدونا على عبد الله بن مسعود يومًا بعد ما صلينا الغداة، فسلمنا بالباب، فأذن لنا قال: فمكثنا بالباب هنيّة قال: فخرجت الجارية فقالت: ألا تدخلون؟ فدخلنا فإذا هو جالس يسبّح فقال: مامنعكم أن تدخلوا وقد أذن لكم؟ فقلنا: لا، إلا أنا ظننّا أن

---

۱ صحیح مسلم:۶۷۰
۲ صحیح مسلم:۶۷۰
۳ شرح النووی:۱۵/۷۹

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

بعض أهل البيت نائم قال: ظننتم بآل ابن أم عبد غفلة، قال: ثم أقبل يسبّح حتى ظن أن الشمس قد طلعت فقال :ياجارية! اُنظري هل طلعت الشمس؟ قال فنظرت فإذا هي لم تطلع، فأقبل يسبّح حتى ظن أن الشمس قد طلعت فقال: يا جارية! انظري وهل طلعت؟ فنظرت فإذا هي قد طلعت فقال: الحمد لله الذي أقالنا يومنا هذا، ولم يهلكنا بذنوبنا[1]

''ایک دن ہم صبح کی نماز پڑھ کر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے (طلبِ اجازت کے لیے) دروازے پر سلام کہا تو ہمیں اجازت مل گئی۔ راوی کہتے ہیں: ہم کچھ دیر دروازے پر کھڑے رہے، پھر باندی باہر آئی اور بولی تم گھر میں داخل کیوں نہیں ہوتے؟ چنانچہ ہم گھر میں داخل ہوئے تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیٹھے تسبیح کررہے تھے۔ اُنہوں نے پوچھا: اجازت ملنے کے بعد تمہارے گھر میں داخل ہونے سے کیا امر مانع تھا؟ ہم نے عرض کیا: کچھ بھی مانع نہ تھا، البتہ ہمیں یہ گمان تھا کہ شاید گھر کے کچھ افراد محوِ خواب ہوں (اس لیے ہم نے ہچکچاہٹ محسوس کی)۔ اس پر عبداللہؓ نے کہا: تم ابن مسعود کے اہل خانہ کے بارے غفلت کا گمان رکھتے ہو (یہ محال ہے)۔ پھر وہ تسبیح میں مشغول ہوگئے حتیٰ کہ اُنہوں نے سمجھا کہ سورج طلوع ہوچکا ہے تو اُنہوں نے باندی سے کہا: دیکھو سورج طلوع ہوچکا ہے؟ راوی کہتے ہیں: اُس نے دیکھا لیکن ابھی سورج طلوع نہ ہوا تھا۔ چنانچہ وہ اذکار میں مصروف ہوگئے حتیٰ کہ اُنہوں نے پھر سمجھا کہ سورج طلوع ہوچکا ہے، اُنہوں نے کہا: لڑکی! دیکھو کیا سورج طلوع ہوچکا ہے؟ اس نے دیکھا تو سورج طلوع ہوچکا تھا۔ اس پر عبداللہ نے کہا: سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمارے اس دن کی لغزشیں معاف کیں اور ہمارے گناہوں کے سبب ہمیں ہلاک نہ کیا۔''

④ خواتؒ بن جبیر بیان کرتے ہیں:

نوم أول النهار خرق وأوسطه خلق وآخره حمق[2]

---

۱ صحیح مسلم: ۷۲۲

۲ مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۱۲/۷، ۲، صحیح الادب المفرد: ۹۴/۷ (صحیح)

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

"دن کے شروع حصے کی نیند جہالت، درمیانی حصے کی نیند اچھی عادت اور آخری حصے کی نیند بے وقوفی کی علامت ہے۔"

مذکورہ بالا احادیث و آثار دلیل ہیں کہ نمازِ فجر سے لے کر طلوعِ فجر تک ذکر واذکار کرنا اور ادعیہ وغیرہ کا اہتمام کرنا افضل عمل ہے اور بلا عذر اس وقت میں نیند کو معمول بنا کر اس بابرکت وقت کو ضائع نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس وقت کی تازگی سے فائدہ اُٹھانا چاہیے اور اس وقت کے مسنون اذکار، تلاوتِ قرآن اور ادعیہ وغیرہ کا التزام کرنا چاہیے کیونکہ یہی نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سنت ہے۔

۳) عصر کے بعد

نمازِ عصر کے بعد سونا مکروہ فعل ہے، اس وقت کی نیند سے ذہنی توازن متاثر ہوتا ہے اور اس وقت کی مسلسل نیند انسان کو کند ذہن بنا دیتی ہے۔ اس بارے مرفوع روایت تو ضعیف ہے جو سیدہ عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

① «من نام بعد العصر فاختلس عقله فلا يلومن إلا نفسه»[1]

"جو شخص عصر کے بعد سوئے اور اس کا ذہنی توازن بگڑ جائے تو وہ اپنی ذات ہی کو ملامت کرے۔"

نیز اس معنیٰ کی تمام مرفوع روایات ضعیف ہیں۔ تفصیل کے لیے علامہ ناصر الدین البانی کی کتاب 'السلسلة الضعيفة'[2] کا مطالعہ کیجئے۔ البتہ کچھ صحیح آثار ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نمازِ عصر کے بعد بلا عذر سونا اور اس وقت کی نیند کو معمول بنانا مکروہ فعل ہے۔

② جبیر بن خوات رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

نوم أول النهار خرق، وأوسطه خلق وآخره حمق[3]

"دن کے اوّل حصہ کی نیند جہالت، درمیان حصہ کی نیند اچھی عادت اور آخری حصے (نمازِ عصر کے بعد) کی نیند بے وقوفی کا باعث ہے۔"

---

۱ کتاب المجروحین: ۱/ ۲۸۳، کتاب الموضوعات لابن الجوزی: ۱۴۸۰، الضعیفہ: ۳۹ (ضعیف جداً)

۲ الضعیفہ: ۳۹

۳ مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۷۲۱۲، صحیح الادب المفرد: ۹۴۷ (صحیح)

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

③ عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر مکحول سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (مکحول):

أنه كان يكره النوم بعد العصر وقال: يخاف علىٰ صاحبه الوسواس[1]

"عصر کے بعد سونا ناپسند کرتے تھے اور کہا کرتے تھے۔ عصر کے بعد سونے والے کے ذہنی توازن بگڑنے کا ڈر ہے۔"

نیند کے ممنوع اَوقات

فرض نمازوں کے اوقات میں بلا عذر سونا ناجائز فعل ہے اور اس پر سخت وعید وارد ہے۔ لہٰذا پانچ فرض نمازوں کے اوقات میں سونا ممنوع فعل ہے جس سے اجتناب از بس ضروری ہے۔ ان اوقات میں نیند کا اہتمام اور نمازوں سے غفلت انتہائی مہلک ہے اس سے فرض نمازوں میں دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔ شیطانی تسلط مضبوط ہوتا اور شیطانی غلبے کی وجہ سے انسان بالآخر فرض نمازوں کا تارک ہو جاتا ہے، جس سے دل و دماغ میں دینی عقائد و نظریات کمزور پڑتے ہیں۔ عبادات سے تعلق منقطع ہوتا اور شیطانی اثر ورسوخ اور تسلط کی وجہ سے انسان روحِ ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا نمازوں میں غفلت کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ اپنی اصلاح کریں۔ غفلتوں کو ترک کریں اور نمازوں میں نیند کے غلبے کو کنٹرول کرکے نیند کا رخ مستحب اوقات کی طرف موڑ کر دین اسلام کا صحیح پیروکار ہونے کا ثبوت دیں۔ ذیل میں ہم وہ احادیث درج کریں گے جن میں نمازوں کے اوقات میں سونے کی وعید ہے۔ بالخصوص نمازِ فجر کے وقت سوئے رہنا تو انتہائی ہلاکت خیز ہے۔ دلائل ملاحظہ کیجئے:

① فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّ الصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَٰبًا مَّوْقُوتًا ﴾[2]

"بے شک نماز مؤمنوں پر وقت مقرر پر فرض کی گئی ہے۔"

② ﴿ حَٰفِظُوا۟ عَلَى الصَّلَوَٰتِ وَالصَّلَوٰةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا۟ لِلَّهِ قَٰنِتِينَ ﴾[3]

"نمازوں کی حفاظت کرو، بالخصوص درمیانی نماز (عصر) کی اور اللہ کے لیے مطیع

---

١ ایضاً: ۲۷۲۱۳ (صحیح)

۲ النساء: ۱۰۳

۳ البقرۃ: ۲۳۸

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ہو کر قیام کرو۔"

③ ﴿ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴾[1]

"نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔"

ان آیات میں نماز باجماعت کے اہتمام کی تاکید ہے اور آئندہ احادیث میں نماز باجماعت میں غفلت، سستی اور قصداً نیند کا اہتمام کرنے سے اجتناب کی تاکید ہے اور اس بارے میں سخت وعید وارد ہے:

④ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«من سمع النداء فلم يأته، فلا صلاة له إلا من عذر»[2]

"جس نے اذان سنی پھر نماز (باجماعت) کے لیے نہ آیا تو عذر کے سوا اس کی نماز نہیں"

⑤ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا تذکرہ کیا تو فرمایا:

«من حافظ عليها كانت له نورًا وبرهانا ونجاة يوم القيامة، ومن لم يحافظ عليها لم يكن له نور ولا برهان ولانجاة، وكان يوم القيامة مع قارون و فرعون و هامان وأبي بن خلف»[3]

"جس نے اس (نماز باجماعت) کی حفاظت کی تو یہ نماز اس کے لیے روزِ قیامت نور، دلیل اور نجات ہو گی اور جس نے اس کی حفاظت نہ کی، یہ اس کے لیے نور، دلیل اور نجات نہ ہو گی اور وہ روز قیامت قارون، فرعون، ہامان اور اُبی بن خلف کے ساتھ ہو گا۔"

نیز نماز باجماعت کے دوران قصداً سونے کی سزا سخت ہولناک ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ایک لمبی حدیث ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کا بیان ہے۔ اس کا مختصر شذرہ جو ہمارے موضوع کے متعلق ہے، یہ ہے کہ ایک شخص چت لیٹا تھا، اس کے سرہانے ایک آدمی پتھر لیے کھڑا ہے، وہ پوری قوت سے پتھر اس کے سر پر مارتا ہے اور اس کا سر چکنا چور کر دیتا ہے۔ پھر پتھر لڑھک کر نیچے چلا جاتا ہے، وہ آدمی پتھر لینے جاتا ہے پتھر لے کر واپس

---

1 ایضاً: ۴۳

2 سنن ابن ماجہ: ۷۹۳، صحیح الجامع الصغیر: ۶۳۰۰ (صحیح)

3 مسند احمد: ۲/۱۶۹، صحیح ابن حبان: ۱۴۶۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

آتا ہے تو متاثرہ شخص کا سر درست ہو چکا ہوتا ہے۔ وہ اس عذاب سے روزِ قیامت تک مسلسل دوچار کیا جاتا رہے گا۔

⑥ آپؐ کے استفسار پر فرشتوں نے آپؐ کو بتایا:

أما الرجل الذی أتیت علیه یثلغ رأسه بالحجر، فإنه الرجل یأخذ القرآن فیرفضه وینام عن الصلاة المکتوبة[1]

"وہ آدمی جس کے قریب سے آپؐ گزرے اور اس کا پتھر سے سر کچلا جارہا تھا، وہ آدمی ہے جس نے قرآن یاد کیا پھر اسے بھلادیا اور یہ فرض نماز سے سویا رہتا تھا۔"

⑦ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں:

ذکر عند النبی ﷺ رجل فقیل مازال نائمًا حتی أصبح ما قام إلی الصلاة فقال: بال الشیطان في أذنه[2]

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک آدمی کا ذکر ہوا اور آپؐ کو بتایا گیا کہ وہ مسلسل سویا رہا حتی کہ صبح ہو گئی اور وہ نماز کے لیے بیدار نہیں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کیا ہے۔"

خلاصۂ بحث

① نمازِ باجماعت کے اوقات میں قصداً سونا یا بیداری کا کوئی خاص اہتمام نہ کرنا انتہائی مبغوض فعل ہے جبکہ نماز باجماعت کے دوران سوئے رہنا ناجائز ہے۔

② نیند میں ایسا انہماک و تسلسل کہ نماز باجماعت چھوٹ جائے قطعاً درست نہیں۔

③ نمازوں میں غفلت، سستی اور عدم اہتمام کا انجام ہلاکت اور روزِ قیامت کی رسوائی ہے۔

④ البتہ نیند کا شدید غلبہ ہو اور نماز کو ادا کرنا مشکل ہو جائے تو اس مجبوری کی صورت میں سونے اور نماز مؤخر کرنے کی گنجائش ہے لیکن اس گنجائش سے غلط استدلال لینا، نمازوں سے تاخیر کا بہانہ بنانا اور صبح سورج چڑھنے کے بعد تک سونے کا جواز بنانا قطعاً ناجائز ہے بلکہ اس استثنائی صورتِ حال سے انسان کو زندگی میں کبھی کبھار ہی واسطہ پڑتا ہے لہٰذا

---

1 صحیح بخاری: ۷۰۴۷

2 ایضاً: ۱۱۴۴، صحیح مسلم: ۷۷۴

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مجبوری کی اس حالت میں شریعت نے اس صورت میں سونے کی رخصت دی ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إذا نعس أحدكم وهو يصلي فليرقد حتى يذهب عنه النوم، فإن أحدكم إذا صلي وهو ناعس لا يدري لعله يستغفر فيسب نفسه»[1]

"جب تم میں کسی کو حالتِ نماز میں سخت غنودگی چھائے تو وہ سو جائے حتیٰ کہ نیند ختم ہو جائے کیونکہ جب تم میں سے کوئی شخص حالت نیند میں نماز پڑھے گا تو اسے معلوم نہیں ہو گا، ممکن ہے وہ استغفار کے بجائے اپنی ذات ہی کو مطعون کر رہا ہو۔"

امام نوویؒ بیان کرتے ہیں اس حدیث میں نماز میں خشوع، فارغ البالی اور نشاط اختیار کرنے کی ترغیب ہے۔

اور نماز میں اونگھنے والے کو اتنی نیند کا حکم ہے کہ اس سے نیند کا غلبہ چھٹ جائے اور یہ حکم دن رات کی فرض و نفل نمازوں کو عام ہے۔ شافعیہ اور جمہور علما اسی مذہب کے قائل ہیں۔ البتہ نیند کی اتنی رخصت ہے، جس سے فرض نماز کا وقت ختم نہ ہو۔[2]

زبان زد عام ممنوع اَوقاتِ نیند

گزشتہ بحث میں کتاب و سنت کے دلائل صریحہ سے نیند کے مستحب، مکروہ اور ممنوع اوقات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ البتہ ان سے ہٹ کر کچھ اوقات بعض لوگوں میں مشہور ہیں کہ ان اوقات میں سونا جائز نہیں مثلاً نمازِ فجر کے بعد نیند کے مسئلہ میں اتنا افراط و تفریط ہے کہ کچھ لوگ اس وقت کی نیند کو حرام قرار دیتے ہیں تو بعض لوگ اس وقت کی نیند کو اپنے لیے واجب سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے سامنے اُسوہ رسول ﷺ موجود ہے جس پر عمل کرکے ہم افراط و تفریط سے بھی بچ سکتے ہیں اور اتباعِ سنت میں دین و دنیا کی فلاح و کامرانی بھی حاصل کرسکتے ہیں۔ حرام قرار دینے والوں کے پیشِ نظر غالباً نماز فجر کے بعد نیند کی وہ صورت ہوتی ہے جس میں صبح کی نماز کو ضائع کر دیا گیا ہو۔ جہاں تک نماز فجر کی ادائیگی کے

---

۱ صحیح بخاری:۲۱۲، صحیح مسلم:۷۸۶
۲ شرح النووی:۶/۷۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

بعد سونے کی بات ہے تو گذشتہ بحث میں مکروہ اوقات کے تحت نمازِ فجر کے بعد سونے کی کراہت بیان ہوئی ہے جس سے صبح کے وقت سونے کا جواز بہر حال موجود ہے اور اس وقت کی نیند کی حرمت پر دال روایات ضعیف اور نا قابل حجت ہیں۔ جن کی رو سے نماز فجر کے بعد نیند کو ممنوع قرار نہیں دیا جا سکتا:

① حضرت عثمان بن عفان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الصبحة تمنع الرزق»[1] ''صبح کی نیند رزق سے مانع ہے۔''

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد ابن عدی بیان کرتے ہیں۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اسحٰق بن ابی فروہ کے متعلق امام احمد کہتے ہیں کہ اس کی روایت کو لینا میرے نزدیک جائز نہیں۔ یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ حدیث میں اس کی کوئی حیثیت نہیں اور دار قطنی کہتے ہیں کہ یہ متروک راوی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے اللآلي المصنوعة[2] کا مطالعہ کیجئے۔

② سیدہ فاطمہؓ بنتِ محمد ﷺ بیان کرتی ہیں:

مر بي رسول الله ﷺ وأنا مضطجعة متصحبة، فحركني برجله ثم قال: يا بنية! قومي اشهدي رزق ربك، ولا تكوني من الغافلين، فإن الله يرزق أرزاق الناس مابين طلوع الفجر إلى طلوع الشمس[3]

''رسول اللہ ﷺ میرے قریب سے گزرے جب کہ میں سوئی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے مجھے اپنے پاؤں سے ہلایا پھر فرمایا: پیاری بیٹی! اُٹھو، اپنے ربّ کے رزق کی تقسیم میں شامل ہو اور غافلوں سے نہ ہو جاؤ، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ طلوعِ فجر سے لے کر طلوعِ آفتاب تک لوگوں کا رزق تقسیم کرتے ہیں۔''

اس حدیث کی سند میں عبد الملک بن ہارون بن عنزہ کذاب ووضاع راوی ہے۔ امام احمد کہتے ہیں: '' عبد الملک ضعیف ہے۔'' یحییٰ بن معین نے اسے کذاب اور ابو حاتم نے متروک

---

١ الکامل لابن عدی: ١/ ٣٢١، کتاب الموضوعات لابن الجوزی: ١٤٧٩ (ضعیف جدا)

٢ ٢/ ١٥٧، ١٥٨

٣ شعب الایمان للبیہقی: ٤٧٣٥، الضعیفۃ: ٥١٧٠ (موضوع)

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

قرار دیا ہے اور ابن حبان کہتے ہیں: یہ احادیث گھڑتا ہے۔[1]

④ حضرت علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طلوعِ آفتاب سے قبل سونے سے منع کیا ہے۔[2] واضح رہے کہ اس روایت میں تصحیف ہے کہ لفظ السوم، کو لفظ النوم سے بدل دیا گیا ہے۔ اس روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں:

«نهى عن السوم قبل طلوع الشمس وعن ذبح ذوات الدر»[3]

''نبی ﷺ نے طلوع آفتاب سے قبل سودا کرنے اور دود ھیل جانور کے ذبح کرنے سے منع کیا ہے۔''

کھانا کھانے کے بعد سونا

شرعی اعتبار سے کھانے کے بعد سونے میں کوئی قباحت نہیں بلکہ احادیث میں کھانے کے بعد سونے کا جواز ہے جس کی رو سے کھانا کھانے کے بعد سونا جائز و مباح ہے، جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بیان کرتے ہیں:

كان رسول الله ﷺ إذا ذهب إلى قباء يدخل على أم حرام بنت ملحان فتطعمه، فدخل يومًا فأطعمته فنام رسول الله ﷺ[4]

''رسول اللہ ﷺ جب بھی قبا جاتے تو اُمّ حرام بنتِ ملحان کے پاس حاضر ہوتے اور وہ آپؐ کو کھانا کھلاتیں۔ ایک دن آپؐ ان کے ہاں تشریف فرما ہوئے، اُنہوں نے آپؐ کو کھانا کھلایا، پھر آپؐ سوگئے۔''

یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ کھانے کے بعد سونا جائز ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعہ کے دن دوپہر کا کھانا کھا کر ہی قیلولہ کرتے تھے۔ قیلولہ کے تحت یہ احادیث بیان ہوئی ہیں۔ نیز جن روایت میں کھانے کے بعد سونے کی ممانعت و مفاسد کا بیان ہے، وہ من گھڑت و خود ساختہ روایات ہیں جو شرعی احکام میں ناقابل قبول اور مسترد ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

① حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

۱ میزان الاعتدال:۵۲۵۹

۲ ضعیف الترغیب:۱۰۴۸

۳ سنن ابن ماجہ:۲۲۰۶، الضعیفہ:۴۷۱۹

۴ صحیح بخاری:۶۲۸۲، ۶۲۸۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

«أذيبوا طعامكم بذكر الله والصلاة، ولا تناموا عليه فتقسو له قلوبكم»[1] "اللہ کے ذکر اور نماز سے کھانا ہضم کرو، کھانے کے بعد نیند نہ کرو، اس سے تمہارے دل سخت ہو جائیں گے۔"

اس سند میں ابو الخلیل بزیع بن حسان متروک اور متہم بالوضع راوی ہے۔

حافظ ابن جوزی بیان کرتے ہیں کہ ابن ابی حاتم رازی کہتے ہیں کہ

"بزیع کی حدیث موضوع روایت کے متشابہ ہے اور میرے والد نے کہا کہ وہ ذاہب الحدیث (یعنی متروک) ہے۔ دارقطنی کا قول ہے کہ یہ متروک ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں اس کی احادیث منکر ہیں، جن کی متابعت نہیں کی جاتی اور ابن حبان کہتے ہیں: یہ ثقہ راویوں سے عمداً موضوع روایات نقل کرتا ہے۔"[2]

امام ذہبی بیان کرتے ہیں کہ

"بزیع بن حسان متروک الحدیث اور متہم بالکذب راوی ہے۔"[3]

④ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أذيبوا طعامكم بالصلاة ولا تناموا عليه فتقسوا قلوبكم»[4]

"نماز کے ذریعے سے کھانا ہضم کرو اور کھانا کھا کر نیند نہ کرو، اس سے تمہارے دل سخت ہو جائیں گے۔"

اس حدیث کی سند میں اصرم بن حوشب کذاب و وضاع راوی ہے جس پر ائمہ محدثین نے سخت جرح کی ہے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں:

"یہ کذاب خبیث راوی ہے۔ امام بخاری، امام مسلم اور امام نسائی نے اسے متروک کہا ہے۔ امام دارقطنی نے اسے منکر الحدیث قرار دیا ہے اور ابن حبان کہتے ہیں: یہ ثقہ راوی کی طرف موضوع روایات منسوب کرتا تھا۔"[5]

---

۱ الکامل لابن عدی: ۲/۴۹۳، کتاب الموضوعات لابن الجوزی: ۱۴۸۲ (موضوع)
۲ کتاب الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی: ۱/۱۳۸: ۵۰۲
۳ المغنی فی الضعفاء: ۱/۱۶۳: ۸۷۴
۴ الکامل لابن عدی: ۱/۳۹۶، کتاب الموضوعات لابن الجوزی: ۱۴۸۳، ۱۴۸۴ (موضوع)
۵ میزان الاعتدال: ۱/۲۷۲، کتاب الضعفاء والمتروکین: ۱/۱۲۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

حافظہ مریم مدنی[1]

غصہ کی حالت میں دی گئی طلاق کا حکم

غضب کی تعریف

یہ غضب، یغضب غضبًا سے مصدر ہے۔ کہا جاتا ہے رجل غضبان اور امرأة غضبیٰ۔ یہ رضا کی ضد ہے۔[2] مطلقاً یہ غصہ اور اشتعال کے لیے بولا جاتا ہے۔

جرجانی کہتے ہیں:

الغضب تغير، يحصل عند غليان دم القلب ليحصل عنه التشفي للصدر[3]

"دل کے خون کے کھولنے کی وجہ سے جو تغیر ہوتا ہے اس کو غضب کہتے ہیں تاکہ دل کو تسلی ہوسکے۔"

غصے کی حالتیں

غصے کی تین حالتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے:

① یہ کہ انسان پر غصہ کی ابتدائی حالت طاری ہو جہاں پر اس کی عقل میں فتور نہ آئے اور جو وہ کہہ رہا ہو، اس کو بخوبی جانتا ہو۔ ایسی حالت میں دی گئی طلاق بغیر کسی اشکال کے واقع ہو جائے گی اور وہ اپنے اَقوال کا مکلف ہو گا۔[4]

② ایسا غصہ جس میں انسان حواس کھو بیٹھتا ہے اور متکلم کو پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے تو یہ طلاق واقع نہیں ہو گی۔

---

1 لیکچرار ایف جی پوسٹ گریجویٹ کالج، راولپنڈی کینٹ.... سکالر پی ایچ ڈی، جامعہ کراچی، کراچی

2 لسان العرب: ۵/ ۳۶۶۲

3 التعریفات: ص ۱۶۲

4 جامع العلوم والحکم: ص ۱۴۸

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

حافظ ابن قیم الجوزیہ فرماتے ہیں:

وذلك أنه لم يعلم صدور الطلاق منه فهو شبه ما يكون بالنائم والمجنون ونحوهم[1]

"چونکہ وہ طلاق کے صدور کے متعلق نہیں جانتا ہوتا لہٰذا وہ بھی سوئے ہوئے اور پاگل وغیرہ کے مشابہ تصور ہوگا۔"

③ غصے کی تیسری حالت یہ ہے کہ انسان پر شدید غصہ تو طاری ہو لیکن ایسا نہ ہو کہ وہ ہوش وحواس ہی کھو بیٹھے۔ اس حالت میں دی گئی طلاق کی تنفیذ اور عدم تنفیذ میں علما کے مابین اختلاف ہے۔[2]

غصّے کے حالت میں دی گئی طلاق کا حکم

غصے کی حالت میں دی گئی طلاق کے بارے میں دو قسم کی آرا ہیں:

① احناف اور بعض حنابلہ کا موقف ہے کہ غصے کی حالت میں دی گئی طلاق شمار نہیں ہوگی۔[3]

② مالکیہ اور حنابلہ کا خیال ہے کہ غصے کی حالت میں دی گئی طلاق واقع ہو جائے گی اور اس کا اعتبار کیا جائے گا۔[4]

فریق اوّل کے دلائل

احناف اور ان کے مؤیدین نے درج ذیل اَدلہ سے استدلال کیا ہے:

① حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لا طلاق ولا عتاق في إغلاق»[5]

"زبردستی کی طلاق اور آزادی نہیں ہے۔"

1 إغاثة اللهفان في حكم طلاق الغضبان: ص٣٩

2 ایضاً

3 حاشیہ ابن عابدین: ۴۲۷/۲

4 حاشیہ الشرح الکبیر: ۳۶۶/۲

5 سنن ابوداود: ۲۱۹۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اور زبردستی غصے کو بھی شامل ہے، کیونکہ اس میں رائے پر بندش لگ جاتی ہے۔

② فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ﴾[1]

"اللہ تعالیٰ تمہیں ان قسموں پر نہ پکڑے گا جو پختہ نہ ہوں۔"

عبداللہ بن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

لغو اليمين أن تحلف وأنت غضبان[2]

"لغو قسم یہ ہے کہ آپ غصے کی حالت میں قسم اٹھائیں۔"

اسی پر قیاس کرتے ہوئے غصے کی حالت میں دی گئی طلاق کو بھی طلاق شمار نہیں کیا جائیگا۔[3]

③ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ﴾[4]

"اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیجئے۔"

متکلم شدید غصے کی حالت میں شیطان کے بہکانے سے طلاق یا اسطرح کے دیگر الفاظ غیر ارادی طور پر بول دیتا ہے لہٰذا ایسی حالت میں اسپر طلاق کے احکام مترتب نہیں ہوں گے۔[5]

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: «إن الغضب من الشيطان»[6]

"غصہ شیطان کی طرف سے ہے۔"

④ عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لا نذر في غضب وكفارته كفارة يمين»[7]

"غصے کی حالت میں نذر نہیں ہے اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنی نذروں کو پورا کرنے والوں کی تعریف کی ہے۔ تو جب حالتِ غضب

---

۱ البقرۃ:۲۲۵

۲ بیہقی:۲/۴۵۰

۳ طلاق الغضبان:ص ۳۲

۴ الاعراف:۲۰۰

۵ طلاق الغضبان:ص ۳۵

۶ سنن ابوداود:۴۷۸۴

۷ سنن نسائی:۳۸۴۲

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

میں مانی گئی نذر میں رخصت موجود ہے تو طلاق میں یہ رخصت کیوں باقی نہ رکھی جائے۔[1]

⑤ حدیث ابو بکرہ: «لا يقض القاضي بين اثنين وهو غضبان»[2]

"قاضی غصے کی حالت میں دو لوگوں کے مابین فیصلہ نہ کرے۔"

اس کی وجہ یہ ہے کہ غصہ علم وارادہ پر اثر انداز ہوتا ہے اور درست فیصلہ کرنے میں مانع ہوتا ہے تو ایسی حالت میں دی گئی طلاق بھی معتبر نہیں ہوگی۔[3]

⑥ نشہ ایک ایسا سبب ہے جو طلاق کے عدم وقوع پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ متکلم کا طلاق دینے کا ارادہ نہیں ہوتا۔ یاد رہے کہ غصے کی حالت نشے سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے۔[4]

مذکورہ دلائل کا جائزہ

① اس سلسلہ میں حضرت عائشہ کی بیان کردہ حدیث اس نزاع سے خارج ہے، کیونکہ اس سے مراد زبردستی ہے اور زبردستی محض غصے کا نام نہیں ہے۔ امام ابن قیم فرماتے ہیں:

الغلاق انسداد باب العلم والقصد عليه[5]

"غلاق علم وارادہ کے دروازہ کو بند کرتا ہے۔"

لہٰذا یہ غصے کی دوسری حالت کو شامل ہے جس میں بالاتفاق طلاق واقع نہیں ہوتی۔

② حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب تفسیر صحیح نہیں ہے۔

ابن رجب فرماتے ہیں: لا يصح إسناده[6] "اس کی سند صحیح نہیں ہے۔"

اور اسی آیت کی تفسیر میں آپ سے دیگر اقوال بھی بیان کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ ابن ابی حاتم نے تفسیر ابن کثیر[7] میں سعید بن جبیر کے طریق سے بیان کیا ہے کہ "لغو قسم وہ ہے جس

---

1 طلاق الغضبان: ص ۴۱
2 سنن ابن ماجہ: ۲۳۱۶
3 طلاق الغضبان: ص ۴۳
4 طلاق الغضبان: ص ۴۵
5 تہذیب السنن: ۶/ ۱۸۷
6 جامع العلوم والحکم: ص ۱۴۹
7 ۱/ ۲۶۸

مجلس التحقيق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

میں آپ ایسی چیز کو حرام قرار دیں جو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دی ہو۔"

ابن رجب فرماتے ہیں:

صح عن غير واحد من الصحابة أنهم أفتوا أن يمين الغضبان منعقدة وفيها الكفارة[1]

"دیگر بہت سے صحابہ کرام نے فتویٰ دیا کہ غصے کی حالت میں اُٹھائی گئی قسم کا انعقاد ہو گا اور اس (کو پورا نہ کرنے) پر کفارہ ہو گا۔"

③ یہ کہنا کہ غصہ کی حالت میں انسان شیطان کے اکسانے پر بول رہا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس پر حکم مرتب نہ ہو گا۔ تو ایسا کہنا کسی طور بھی درست نہیں ہے، کیونکہ زیادہ تر گناہوں اور برائیوں کا ظہور تو شیطان کی اکساہٹ اور وساوس ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پھر اس کا مطلب تو یہ ہے کہ شیطان کے اکسانے پر کیے جانے والے کسی بھی عمل پر احکام مرتب نہ کیے جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سراسر خام خیالی ہے!

④ حضرت عمران بن حصین کی بیان کردہ حدیث ضعیف ہے۔

⑤ "ابو بکرہؓ کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے قاضی کو حالتِ غصہ میں فیصلہ نہ کرنے کا پابند کیا ہے جس سے قاضی خود غصے کی حالت میں بھی مکلف ہی ٹھہرتا ہے اور یہ حدیث قاضی کے مکلف ہونے کی دلیل ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ قاضی نے اپنے علاوہ کسی اور کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے اور یہ طلاق کے مشابہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ طلاق تو اس کا صیغہ بولنے والے کے لیے خاص ہے اور وہ اس وقت اپنا فیصلہ خود کر رہا ہوتا ہے، نہ کہ دوسرے کا۔"

⑥ اس حالت کو نشہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ نشہ میں تو انسان اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے اور اسے پتہ نہیں ہوتا وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اور یہ غصہ کی دوسری حالت کو شامل ہے۔ ایسی حالت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾[2]

---

1 جامع العلوم والحكم: ص١٤٩

2 النساء: ٤٣

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

"اے ایمان والو! جب تم نشہ میں مست ہو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ۔ جب تک کہ اپنی بات سمجھنے نہ لگو۔"

فریق ثانی کے دلائل

مالکیہ اور حنابلہ نے درج ذیل دلائل کو سامنے رکھا ہے:

① خولہ بنت ثعلبہ اوس بن ثابت کی اہلیہ تھیں، ایک روز اُن دونوں میں جھگڑا ہو گیا تو اوس بن ثابت نے غصے سے ظہار کر ڈالا۔ حضرت خولہ پریشانی کے عالم میں حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور تمام ماجرا کہا تو اللہ تعالیٰ نے آیتِ ظہار نازل فرمائیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ ان کو ظہار کے کفارہ کا حکم دیا۔[1]

② اوس بن ثابت نے غصّے کی حالت میں ظہار کرنے کے باوجود اس کا کفارہ ادا کیا اور طلاق بھی ظہار ہی کی طرح ہے۔[2] علامہ ابن رجب فرماتے ہیں:

"اوس بن ثابت نے غصّے کی حالت میں ظہار کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ اس وقت ظہار کو طلاق شمار کرتے تھے اور ان کی بیوی کو ان پر حرام قرار دیا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے ظہار کا کفارہ لازم کیا تو آپ ﷺ نے اوس بن ثابت کو کفارہ سے بری قرار نہیں دیا۔"[3]

ان احادیث پر یہ اعتراض وارد کیا جاتا ہے کہ یہ غصّے کی ابتدائی حالت سے متعلق ہے اور اس سے غصے کی پہلی قسم مراد ہے۔ اس کے جواب میں عرض ہے کہ یہ حدیث مطلق طور پر عمومی غضب سے متعلق ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی تفصیل نہیں اور احتمالی جگہ پر تفصیل کو چھوڑ دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کو عموم پر محمول کیا جائے۔ اس میں اگرچہ غصہ کی تینوں حالتیں اور ہر غصے کی حالت میں دی گئی طلاق لازم ہو گی، لیکن اجماعِ امت سے وہ حالت اس سے نکل گئی جب غصہ انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ اس طرح اس حدیث میں دوسری دونوں قسمیں شامل ہوں گی۔

---

۱ سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۳
۲ جامع العلوم: ص ۱۴۹
۳ ص: ۱۴۹

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

③ مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے ابن عباس سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو غصے کی حالت میں تین طلاقیں دے دی ہیں۔ تو ابن عباس نے فرمایا:

''مجھ میں اتنی جرات نہیں ہے کہ تیرے لیے وہ حلال کردوں جو اللہ نے حرام کردیا ہے۔ تونے اپنے ربّ کی نافرمانی کی ہے اور اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے۔''[1]

④ حسن بصری کا قول ہے: سنت کے مطابق طلاق یہ ہے کہ آدمی طہر کی حالت میں ایک طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو۔ ایسی صورت میں اس کے بعد تیسرے حیض تک اسے اختیار حاصل ہوگا کہ وہ رجوع کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔ اگر آدمی نے غصے میں طلاق دی ہے تو تین حیض یا تین مہینے میں اس کا غصہ کافور ہوسکتا ہے۔[2]

⑤ قاعدہ فقہیہ ہے:

دلالة الأحوال تختلف بها دلالة الأقوال في قبول دعوٰى ما يوافقها وردّ ما يخالفها وتترتب عليها الأحكام بمجردها[3]

''دعویٰ کو قبول و ردّ کرنے کے سلسلے میں احوال کی حالت سے اقوال کی دلالت مختلف ہوجاتی ہے۔ احوال پر احکام مرتب ہوں گے چاہے اقوال احوال کے مخالف ہوں یا موافق...''

ابن رجب فرماتے ہیں: اس قاعدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ لڑائی جھگڑے اور غصے کی حالت میں دی گئی طلاق شمار ہوگی اور کسی کا یہ دعویٰ کہ طلاق کا رادہ نہ تھا، قابل قبول نہ ہوگا۔

مغنی لابن قدامہ میں ہے:

والغضب هٰهنا يدل علٰى قصد الطلاق فيقوم مقامه[4]

''یہاں پر غصہ ارادۂ طلاق پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا اس کو اس کے مقام پر محمول کیا جائے گا۔''

---

1 دار قطنی: ۴/۱۳

2 جامع العلوم والحکم: ص۱۴۹

3 القواعد لابن رجب: ص ۳۲۲

4 ۸/ ۴۵۰

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

راجح موقف

سابقہ مبحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ مالکیہ، حنابلہ اور ان کے مؤیدین کا موقف راجح ہے، کہ غصہ کی حالت میں طلاق کا وقوع ہو جائے گا اور اس کی ترجیح اِن اُمور کی وجہ سے ہے:

① دلائل کی قوت

② مسئلے پر مکمل گرفت اور وضاحت

③ مخالفین کے دلائل کا ضعف

④ قاعدہ ہے:

أن الأصل في الأبضاع التحريم فالواجب التثبت في أمرها والتنبه لها

"یعنی شرمگاہوں میں اصل تحریم ہے، لہٰذا اس معاملہ میں پوری تحقیق اور ذمہ داری سے کام لینا چاہیے۔"

خلاصہ

فقہا، محدثین، مفسرین اور اُصولیین کی آرا کو نقل کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ

① زبردستی کی حالت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

② اور ایسے غصے کی حالت میں طلاق جس میں انسان اپنے ہوش و حواس میں ہوتا ہے، طلاق واقع ہو جائے گی۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے طلاق کو حلال قرار دیا ہے، اسے دیگر اُمور کے لیے سیڑھی کے طور پر استعمال کرنا کسی طور بھی جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض جہلا تربیت اور ڈرانے دھمکانے کے نام پر اس کا ناجائز استعمال کرتے ہیں۔ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی آیات کو مذاق بنانے کے سوا کچھ نہیں!

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

محمد اقبال کیلانی، الریاض

اَرضِ توحید المملكة العربية السعودية

اس میں شک نہیں کہ ہمارے برادر اسلامی ملک سعودی عرب کے لیے اوّلین باعثِ عزوشرف حرمین شریفین ہی ہیں، لیکن اس کے علاوہ بھی بہت سی خوبیاں سعودی عرب کی دیگر اسلامی ممالک کے مقابلے میں امتیازی مقام عطا کرتی ہیں۔

(۱) اسلامی تعلیمات کی ابتدا عقیدۂ توحید سے ہوتی ہے، آج پوری دنیا اسلام میں سعودی عرب جس طرح قولی اور فعلی ہر دو اعتبار سے عقیدۂ توحید کی شہادت دے رہا ہے، کوئی دوسرا اسلامی ملک اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ غور فرمایئے وسیع و عریض سعودی مملکت میں کوئی مزار، دربار، خانقاہ یا درگاہ تو کجا پکی قبر تک موجود نہیں جس پر کوئی نذر و نیاز، چڑھاوا یا میلا ٹھیلا لگتا ہو۔ جہاں مملکت کے مفتیٔ اعظم شیخ عبد العزیز بن باز اور صفِ اوّل کے عالم شیخ محمد صالح عثیمین کی قبریں عام مسلمانوں کی طرح کچی ہیں، وہاں مملکت کے بادشاہوں کی قبریں بھی ویسی ہی کچی ہیں۔

ریاض کے قبرستان 'مقبرۃ العود' میں شاہی خاندان کے تمام افراد کی تدفین ہوتی ہے۔ ملک خالد بن عبد العزیز کی ۱۹۸۱ء میں وفات ہوئی۔ ان کی نمازِ جنازہ اور تدفین میں مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے شرکت کا موقع دیا۔ نمازِ جنازہ کے بعد تدفین کے لیے میت 'مقبرۃ العود' میں لائی گئی اور عام قبروں کی طرح کچی مٹی کی ڈیڑھ یا دو بالشت اونچی قبر بنائی گئی۔ نہ پکی اینٹ نہ تختی، نہ پھول نہ چادر۔ تدفین کے بعد ہمارے ایک پاکستانی بھائی نے ایک عمر رسیدہ سعودی سے دریافت کیا۔ "ملک فیصل کی قبر کون سی ہے؟" سعودی نے پوچھا: "فیصل کی قبر کو کیا کرو گے؟" پاکستانی نے کہا: "میں اس کی قبر پر دعا مانگنا چاہتا ہوں۔" سعودی نے فوراً جواب دیا:

"تمام مسلمانوں کے لیے دعا مانگو، فیصل کو بھی پہنچ جائے گی۔"

۲۰۰۵ء میں ملک فہد بن عبد العزیز کی وفات ہوئی، ان کی تدفین پر صرف شاہی خاندان کے افراد کو قبرستان میں جانے کی اِجازت تھی۔ وفات کے تیسرے روز میں قبرستان گیا، وہی

magazine.mohaddis.com

کچی مٹی کی قبر دو یا اڑھائی بالشت اونچی۔ دو پاکستانی حضرات قبر پر کھڑے دعا مانگ رہے تھے میں نے بھی ملک فہد کے لیے دعاے مغفرت کی۔ ایک پولیس کا آدمی جیپ میں بیٹھا تھا۔ تعزیت کے تین دن بعد اس کی ڈیوٹی بھی ختم ہونے والی تھی۔ آج قبرستان میں جائیں تو ملک فیصل، ملک خالد، ملک فہد میں سے کسی کی قبر کا کچھ اَتا پتا نہیں چلتا کون سی ہے؟ حتیٰ کہ سعودی عرب کو قائم کرنے والے ملک عبدالعزیز خود بھی اسی قبرستان میں مدفون ہیں، لیکن ان کی قبر کا بھی کسی کو علم نہیں۔ عقیدۂ توحید کے تحفظ اور شرک کی بیخ کنی کا یہ عظیم کارنامہ دنیا کے کسی دوسرے اسلامی ملک میں نظر نہیں آتا۔

پورے ملک میں عقیدۂ توحید کی تنفیذ کے لیے نہ صرف ملک عبدالعزیز اور امام محمد بن عبدالوہابؒ نے زبردست جدوجہد کی بلکہ آج بھی علماے کرام اس کے لیے دن رات مسلسل کوشش اور محنت کر رہے ہیں۔

(۲) سعودی حکومت نے عوام الناس خصوصاً غیر ملکی حضرات کے عقائد کی اصلاح کے لیے ملک بھر میں مکاتبِ جالیات (Call and Guidance Offices) کا جال پھیلا دیا ہے جن میں غیر مسلموں کو بھی اسلام کی دعوت دی جاتی ہے اور مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح پر بھی توجہ دی جاتی ہے۔ ان مکاتب کی نگرانی تو حکومت خود کرتی ہے، لیکن مالی سرپرستی مخیر حضرات کرتے ہیں۔ ان مکاتبِ جالیات کی کارکردگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ریاض کا صرف ایک مکتب (جالیات الربوۃ) دنیا کی ۸۱ زبانوں میں لٹریچر شائع کر رہا ہے۔

ایک سرسری اندازے کے مطابق سال بھر میں پوری دنیا میں لوگ اتنی تعداد میں دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوتے جتنے سعودی عرب کے ان مکاتب کی کوششوں کے نتیجہ میں دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ صرف ریاض شہر کے مکاتبِ جالیات کی کوششوں سے ہر ماہ سو سے زائد غیر مسلم دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ کامیابی یہاں کی حکومت اور علماے کرام کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ ہے جس کا نہ تو حکومت ڈھنڈورا پیٹتی ہے، نہ کہیں اشتہار دیتی ہے، نہ اعلان کرتی ہے۔

۲۰۰۷ء میں مجھے بعض سعودی انجینئرز کے ساتھ وزارتِ صحت کے ایک پروجیکٹ کے لیے صفر الباطن جانا تھا، اپنے کام سے فراغت کے بعد ہم لوگ ہوٹل میں چلے گئے۔ رات کھانے کے بعد مجھے وہاں کا مکتب جالیات دیکھنے کا شوق پیدا ہوا اور میں تھوڑی سی تلاش کے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

بعد مکتب پہنچ گیا۔ اتفاق سے اس روز مکتب میں غیر معمولی رونق تھی۔ لائبریری میں گیا تو وہاں اُردو زبان کے سندھی داعی سے ملاقات ہوئی۔ تعارف کرانے پر بہت مسرور ہوئے اور سلسلۂ 'تفہیم السنۃ' کی تالیف پر میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ اُنہوں نے بتایا کہ آج مکتب میں خصوصی اجتماع ہے۔ ایک سعودی مخیر نے مکتب کو ۵۰ سیٹ والی بس مہیا کی ہے تاکہ داعی حضرات لٹریچر لے کر شہر کے دور دراز علاقوں میں موجود مختلف کمپنیوں میں جاکر لوگوں کی دین کی دعوت دے سکیں۔ پروگرام کے مہمان خصوصی ہائی کورٹ کے چیف جسٹس تھے۔

پروگرام کے آخر میں چیف جسٹس نے اپنے مختصر خطاب میں یہ کہا:

"سعودی عرب الحمدللہ توحید کی سرزمین ہے جو ہمارا بنیادی عقیدہ ہے۔ دنیا اور آخرت میں ہماری کامیابی کا دارومدار اسی عقیدۂ توحید پر ہے..... تمام انبیاے کرام اور رُسل اسی عقیدۂ توحید کی دعوت لے کر آئے اور یہی دعوت ہمارے قائد، رہبر، حبیب اور رسول حضرت محمد مصطفی ﷺ لے کر آئے تھے۔ اسی عقیدۂ توحید کی ہم تمام لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے ہم سب کو مل جل کر کوشش کرنی چاہیے۔"

چیف جسٹس کے خطاب سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ سعودی عرب میں علماے کرام اور کلیدی عہدوں پر فائز حکام کی جدوجہد کی سمت ایک ہی ہے یعنی عقیدۂ توحید جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سعودی عرب آنے والے لوگوں میں سے ۹۰ تا ۹۵ فیصد مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح ہو جاتی ہے، صرف ایک قلیل تعداد ایسی ہوتی ہے جو سب کچھ دیکھنے اور سننے کے باوجود اپنے آبائی عقیدہ پر قائم رہنا پسند کرتی ہے۔

(۳) عقیدۂ توحید کے بعد دین اسلام کا اہم ترین رُکن نماز ہے۔ تمام مملکت میں ہر شہر کے اوقات کے مطابق اذان کا ایک ہی وقت مقرر کرنا۔ نماز کے اوقات میں تمام چھوٹی بڑی مارکیٹوں کو بند کروانا۔ اذان سے اقامت تک کے وقت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اہلکاروں کا گشت کرنا اور سپیکر پر لوگوں کو نماز کے لیے مسجد میں آنے کی دعوت دینا، اگر کہیں بے نمازیوں کا گروہ مل جائے تو اسے پکڑ کر تھانے لانا۔ چوبیس گھنٹے تک انہیں وعظ و نصیحت کرنا اور نماز پڑھنے کا وعدہ لے کر رہا کرنا؛ حکومت کا ایسا منفرد اور نادر الوجود کارنامہ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ہے جس کی پوری دنیا کے کسی اسلامی ملک میں مثال نہیں ملتی۔

میرا ایک بیٹا عبد اللہ اقبال مکہ مکرمہ کے تعلیمی ادارے دار الحدیث کا طالب علم ہے، اس نے بتایا کہ گذشتہ سال فٹ بال کے ورلڈ کپ میچ کے موقع پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اہلکاروں نے محسوس کیا کہ اس میچ کی وجہ سے سعودی نوجوانوں کی نمازیں ضائع ہو رہی ہیں، چنانچہ اُنہوں نے گشتی کمروں (Portable House) میں مصلے بچھا کر گلی گلی، محلے محلے ایسی جگہوں پر پہنچا دیئے جہاں سعودی نوجوان ٹی وی پر میچ دیکھنے میں مگن تھے۔ نماز کے اوقات پر وہیں اذان دی جاتی اور بہت ہلکی سی نماز پڑھ کر نوجوانوں کو فارغ کر دیا جاتا۔ دنیا کے تمام اسلامی ممالک میں سے کون سا ایسا ملک ہے جس کی حکمرانوں کو اپنی رعایا کی نمازوں کی اس قدر فکر لاحق ہو؟ تمام سرکاری اور غیر سرکاری دفاتر میں مساجد کی تعمیر ضروری ہے، نماز کا باقاعدہ اہتمام کرنا دفتر کے مسئولین کی قانونی ذمہ داری ہے۔

مغربی ممالک میں نمازیں پڑھنے پر مسلمانوں کی تنخواہ کاٹی جاتی ہے، لیکن سعودی عرب میں دفتری اوقات میں نماز ادا نہ کرنا باعثِ عیب سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے کتنے ہی پاکستانی، ہندوستانی اور بنگلہ دیشی بھائی ایسے ہیں جو اپنے اپنے ممالک میں کبھی نماز کے قریب بھی نہیں گئے تھے، لیکن سعودی عرب آنے کے بعد ماحول کے ہاتھوں مجبور ہو کر نماز پڑھنی شروع کی اور پھر ایسے پکے نمازی بنے کہ تہجد اور اشراق تک پڑھنے لگے۔ نمازِ استسقا، نمازِ کسوف اور نمازِ خسوف کے لیے شاہی فرمان جاری ہوتا ہے جس پر علماے کرام اور عوام پوری مستعدی سے عمل کرتے ہیں۔

(۴) زکوۃ کے لیے حکومت نے ایسا قانون بنا رکھا ہے کہ کوئی شخص زکوۃ ادا کئے بغیر سعودی عرب میں کاروبار نہیں کر سکتا۔ چند سال قبل ریاض میں شدید ژالہ باری ہوئی جس سے بہت نقصان ہوا۔ علماے کرام نے اپنے خطبوں میں لوگوں کو تلقین کی کہ اللہ سے ڈرو، اپنے اموال کی زکاتیں ادا کرو، اللہ کا یہ عذاب زکاتیں ادا نہ کرنے کی وجہ سے آیا ہے۔

(۵) رمضان المبارک کے مہینے میں پوری مملکت میں الحمد للہ ایک ایسا روح پرور ماحول پیدا ہو جاتا ہے کہ کوئی نام نہاد مسلمان تو کیا، کٹے سے کٹا کافر بھی رمضان المبارک کے تقدس کو مجروح کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی غیر مسلم رمضان المبارک کے تقدس کو مجروح کرنے کی کوشش کرے تو حکومت اس کا ویزا منسوخ کر کے فوراً ملک بدر کر دیتی ہے۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

یاد رہے کہ احترامِ رمضان کے بارے میں ہر سال رمضان المبارک سے پہلے فرمان شاہی جاری ہوتا ہے جس پر سختی سے عمل کروایا جاتا ہے۔

(۶) یہود و نصاریٰ کئی مرتبہ قرآنِ مجید میں تحریف کی ناپاک سازشیں کر چکے ہیں۔ یہود ونصاریٰ کے مکروہ عزائم کو بھانپتے ہوئے سعودی حکومت نے مدینہ منورہ میں عظیم الشان 'شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس' مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف قائم کیا جس میں چوبیس گھنٹے قرآنِ مجید کی طباعت ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ یہ پرنٹنگ کمپلیکس عربی زبان کے علاوہ دنیا کی پچاس سے زائد زبانوں میں قرآنِ کریم کی طباعت کا مقدس فریضہ انجام دے رہا ہے۔ ہر سال حج کے موقع پر مجمع ملک فہد کروڑوں کی تعداد میں قرآنِ کریم کے یہ نسخے بلاقیمت حجاج کرام میں تقسیم کرتا ہے۔

قرآنِ مجید کی یہ ایسی عظیم الشان خدمت ہے جس کے لیے پوری اُمتِ مسلمہ سعودی حکومت کی ممنون احسان ہے۔ شنید ہے کہ ملک عبداللہ بن عبدالعزیز حفظہ اللہ اب حدیث شریف کی اشاعت کے لیے ایک ایسا ہی منصوبہ تیار کر رہے ہیں جو کتاب و سنت کی اشاعت میں یقیناً نور علیٰ نور کے مصداق ہوگا۔ إن شاء الله

(۷) مذکورہ بالا دینی خدمات کے علاوہ سعودی عرب آج بھی ایسی بہت سی اسلامی اقدار کی حفاظت کر رہا ہے جو ہمیں کسی دوسرے اسلامی ملک میں نظر نہیں آتیں۔ بظاہر یہ اقدار معمولی نظر آتی ہیں، لیکن معاشرے میں ان کے نتائج بڑے دور رس ہیں۔ سرکاری اداروں میں ہجری کیلنڈر پر عمل ہوتا ہے۔ سرکاری ملازمین کو تنخواہ ہجری کیلنڈر کے مطابق دی جاتی ہے اور باہمی مراسلت میں ہجری تاریخ ہی استعمال کی جاتی ہے۔ سرکاری مراسلت میں خواہ وہ افسرانِ بالا کی طرف سے ماتحت افسران کے نام ہو یا ماتحت افسران کی طرف سے افسرانِ بالا کا نام ہو، ابتدا السلام عليكم ورحمة الله و بركاته.... أما بعد سے ہوتی ہے۔ افسرانِ بالا اپنے ماتحتوں کے لیے سلمہ اللہ اور ماتحت افسران بالا کے لیے حفظه الله جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ سرکاری اداروں میں باہمی مراسلت کے لیے طبع شدہ لیٹر پیڈز پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پہلے سے طبع ہوتا ہے۔

(۸) سعودی عرب کو اللہ تعالیٰ نے تیل کی دولت کے علاوہ معدنیات کی دولت سے بھی مالا مال کیا ہے جسے سعودی حکومت مملکت کے علاوہ پوری دنیا میں اسلام کی اشاعت اور تبلیغ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کے لیے بے دریغ خرچ کرتی ہے۔ اہل خبر جانتے ہیں کہ دنیا کا شاید ہی کوئی خطہ ایسا ہو جہاں سعودی حکومت کے تعاون سے مساجد، مدارس، اسلامی مراکز اور دیگر عوامی بہبود اور فلاح کے کاموں پر خرچ نہ کیا گیا ہو اور اسی معاملہ میں پاکستان اور اہل پاکستان کے ساتھ تو سعودی عرب کا معاملہ رسمی طور پر نہیں، حقیقی طور پر بھائیوں جیسا ہے۔

اہل پاکستان پر جب بھی کوئی ابتلا یا آزمائش آتی ہے تو مملکت کے حکمران ہی نہیں، عوام اور علمائے کرام بھی مضطرب اور بے چین ہو جاتے ہیں۔ ۲۰۰۵ء کا تباہ کن زلزلہ ہو یا ۲۰۱۰ء کا ہلاکت خیز سیلاب؛ ہر موقع پر مملکت تمام اسلامی ممالک کے مقابلے میں کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر مالی معاونت بھی کرتی ہے اور خطیب حضرات جمعہ کے روز اپنے خطاب میں نام لے کر اہل پاکستان کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔

یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کے بعد ائمۂ کفر نے پاکستان پر معاشی، اقتصادی اور فوجی پابندیاں لگا کر پاکستان کو دیوالیہ کرنے کی کوشش کی تب سعودی عرب نے ہی پاکستان کو مفت تیل فراہم کر کے دیوالیہ ہونے سے بچایا۔ جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ کے زمانے میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو 'را' اور 'موساد' نے خفیہ آپریشن کے ذریعہ تباہ کرنے کا پروگرام بنایا تو ملک عبد اللہ بن عبد العزیز حفظہ اللہ (تب ولی عہد) نے ہنگامی پرواز کے ذریعے خود آکر اہل پاکستان کو مطلع کیا کہ اسرائیلی طیارے ہتھیاروں اور کمانڈوز سمیت سری نگر ایئرپورٹ پر پہنچ چکے ہیں۔

دو ماہ قبل دار السلام الریاض کی ایک تقریب میں سفیر پاکستان جناب شیر علی زئی صاحب نے بتایا کہ سعودی عرب نے گذشتہ سال پاکستان سے چھ ہزار ڈاکٹرز منگوائے گئے ہیں، اتنی بڑی تعداد میں بیک وقت سعودی عرب نے کبھی کسی دوسرے ملک سے ڈاکٹرز نہیں منگوائے۔ یاد رہے کہ آج کل مصر سے ڈاکٹر یا انجینئرز منگوانے پر سعودی عرب نے پابندی لگا رکھی ہے۔

پرویز مشرف نے ایک بار ترنگ میں آکر ہندوستان کو ایٹمی ہتھیار ختم کرنے کی پیش کش کی۔ اس سے اگلے روز یونیورسٹی سے واپس آتے ہوئے مجھے ایک سعودی پروفیسر ملے، وہ پرویز مشرف کے اس بیان سے بڑے دل گرفتہ تھے۔ سلام ودعا کے بعد کہنے لگے: "کیا یہ آدمی پاگل ہے، پاکستان کو ختم کرنا چاہتا ہے؟" سعودی حکمران ہوں یا عوام پاکستان کے لیے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

سب کا جذبہ خیر خواہی ایک جیسا ہے!

مذکورہ بالا سطور تحریر کرنے کا باعث موقر ماہنامہ 'محدث' لاہور، شمارہ ۳۴۶ (اپریل ۲۰۱۱ء) میں طبع شدہ مضمون بعنوان 'اُمتِ مسلمہ کے خزانے اور ظالم حکمرانوں کی عیاشیاں' کی بعض سطور ہیں جس میں حافظ صلاح الدین نامی قلمکار نے عرب ریاستوں کے بارے میں اعداد و شمار کے ساتھ ان ریاستوں میں ایک طرف وسائل ثروت کی فراوانی اور دوسری طرف حکمرانوں کی عیاشیوں پر اظہارِ تاسف فرمایا ہے۔ قدرتی طور پر ایسے مضامین پڑھ کر حکمرانوں کے خلاف عوام میں پہلے سے موجود نفرت میں اور بھی اضافہ ہوتا ہے۔ سیاقِ مضمون سے یہ تاثر ملتا ہے کہ دیگر خلیجی ریاستوں کی طرح سعودی عرب میں بھی ایسے ہی نالائق اور عیاش حکمران ہیں۔ راقم کو سعودی عرب میں رہتے ہوئے کم و بیش تیس سال کا عرصہ ہو رہا ہے۔ میں پوری ذمہ داری سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ سعودی عرب کے دینی اور دنیاوی اُمور کی ہر گز صورتحال یہ نہیں ہے جس کا واضح ثبوت مضمون ہذا میں تحریر کی گئی گذشتہ سطور ہیں۔

برادرم عبد المالک مجاہد (ڈائریکٹر دارالسلام الریاض) راوی ہیں کہ میں نے پرنس خالد بن طلال کے ساتھ نماز ادا کی۔ نماز کے بعد پرنس نے اتنا طویل سجدہ کیا کہ مجھے اس بات پر حیرت ہوئی کہ شاہی خاندان میں ایسے افراد بھی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ سے اتنا گہرا تعلق ہے۔

چند سال قبل مجھے اپنے اہل و عیال کے ساتھ رات کے وقت جدہ کے ساحل سمندر پر جانے کا اتفاق ہوا، بجلی کے قمقموں سے ساحل کی لمبی پٹی بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ بچوں کے لیے جھولے، ٹرینیں، سواری کے لیے مزین اونٹ اور خچر وغیرہ۔ کھانے پینے کے لیے انواع واقسام کی اشیا؛ ہزاروں مرد، عورتیں اور بچے اِدھر اُدھر لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ہر طرف چہل پہل اور گہما گہمی کا سماں تھا۔ سیر و تفریح اور لہو ولعب کے عین وسط میں ایک جگہ بڑی سکرین پر کچھ مناظر دکھائے جا رہے تھے اور ساتھ یہ آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ ہمیں تجسس ہوا اور وہاں پہنچے تو وہاں ایک بڑی سکرین کے سامنے ۶۰، ۷۰ کرسیاں رکھی تھیں جن پر پندرہ بیس مرد عورتیں بیٹھے تھے۔ ہم بھی ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔ سکرین پر جنت اور جہنم کے بعض مناظر دکھائے جا رہے تھے اور اسی نسبت سے ساتھ ساتھ قرآنی آیات کی بڑی پرکشش تلاوت کی آوازیں بھی ریکارڈ کی گئی تھیں۔ ہمارے میزبان نے بتایا

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کہ اس کا اہتمام شاہی خاندان کے ایک پرنس نے کر رکھا ہے۔ وہ ملک فہد بن عبد العزیز کا دور تھا۔ میزبان نے یہ بھی بتایا کہ ملک فہد کا بیٹا روزانہ رات کے پچھلے پہر پولیس کے ساتھ ساحل پر گشت کرتا ہے۔ اس لیے ساحل پر کبھی کسی قسم کی کوئی بیہودگی یا بے حیائی دیکھنے میں نہیں آئی۔

سعودی حکومت اپنے عوام پر کس قدر مہربان ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ ملک فیصل بن عبد العزیز کے دور میں ریاض شہر میں گیس کی ترسیل کسی وجہ سے رُک گئی اور شہریوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ دو تین دن کے بعد جب گیس کی ترسیل بحال ہوئی تو ملک فیصل نے حکم دیا کہ سرکاری اہلکار خود ایک ایک گھر جاکر معلوم کریں کس کے پاس گیس نہیں جس کے ہاں گیس نہ ہو، سرکاری اہلکار خود اس کے گھر گیس سلنڈر پہنچا کر آئیں۔

گذشتہ تیس سال میں میری یادداشت کے مطابق چھ یا سات مرتبہ سے زیادہ بجلی کی ترسیل میں انقطاع نہیں ہوا اور اب تو صورتِ حال یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے کسی علاقہ میں بجلی کی ترسیل میں انقطاع کی ضرورت ہو تو کمپنی کو ایک ہفتہ قبل اس علاقہ کے مکینوں کی بذریعہ نوٹس آگاہ کرنا پڑتا ہے کہ فلاں روز فلاں وقت سے فلاں وقت تک بجلی نہیں ہوگی۔

سعودی عرب میں پانی کی قلت کی وجہ سے حکومت کو پینے کا پانی مہیا کرنے پر سب سے زیادہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ ہفتہ میں دو مرتبہ باقاعدگی سے بلدیہ پانی مہیا کرتی ہے۔ پانی کی ترسیل میں بعض اوقات ایک دو یوم کی تاخیر ہو جاتی ہے، لیکن اس صورت میں بھی شہریوں کو پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ بڑے بڑے ٹینکر ہر وقت گلیوں میں پانی مہیا کرتے ہیں۔ ۲ ریال میں ۲۰ لیٹر کا کین، مدت دراز سے پٹرول کی قیمت ۷ ۴ ہللہ فی لیٹر ہے (یعنی ۱۱ روپے فی لیٹر) چلی آرہی ہے۔ ۳۰۰، ۴۰۰ ملی لیٹر کے تمام مشروبات عرصۂ دراز سے ایک ریال میں ملتے چلے آرہے تھے۔ گذشتہ سال پہلی مرتبہ ان کی قیمت میں ۵۰ ہللہ کا اضافہ ہوا ہے۔ اب وہی مشروبات ڈیڑھ ریال میں ملتے ہیں۔ بیکری کی روٹی آج سے تیس سال قبل بھی ایک ریال میں چار ملتی تھیں، آج بھی ایک ریال میں چار مل رہی ہیں۔ اس عظیم و سیع و عریض مملکت میں کوئی ایسا شہر یا دیہات نہیں جو بین الاقوامی معیار کی سڑکوں سے محروم ہو۔ چھوٹے سے چھوٹے گاؤں میں بھی مساجد، مدارس، ہسپتال اور اکل و شرب کی تمام اشیا وافر مقدار میں میسر رہتی ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

گذشتہ سال ملک عبد اللہ صحت یاب ہوئے تو حکومت نے تمام سرکاری ملازمین کو دو ماہ کی اضافی تنخواہ اور تمام طلبا کو دو ماہ کا اضافی وظیفہ دینے کا اعلان کیا۔ یاد رہے کہ سعودی جامعات میں زیر تعلیم طلبا و طالبات کو ہر ماہ ۸۰۰ ریال وظیفہ ملتا ہے۔ یکم محرم ۱۴۳۲ ہجری سے حکومت نے بے روزگار سعودی افراد کو تین ہزار ریال وظیفہ دینے کا اعلان بھی کیا ہے۔ امن و امان کے اعتبار سے آپ دن یارات کے کسی بھی حصہ میں پوری مملکت میں جہاں چاہیں، بلا خوف وخطر سفر کرسکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سعودی حکومت اپنی رعایا کے لیے ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔

مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی تامل نہیں کہ کفار اور منافقین کی مکروہ سازشوں کی وجہ سے تمام مسلم ممالک میں جو دینی، اخلاقی اور سیاسی انحطاط آیا ہے سعودی عرب بھی اس سے محفوظ نہیں۔ جہاں فرشتے نہیں، انسان ہی بستے ہیں۔ جن میں بشری کمزوریاں اسی طرح موجود ہیں جس طرح دوسرے انسانوں میں ہوتی ہیں تاہم یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ دینی اور دنیاوی طور پر سعودی عرب دیگر تمام اسلامی ممالک کے مقابلہ میں بہترین ملک ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ادارہ اپنی ذمہ داریاں بھرپور طریقے سے ادا کر رہا ہے۔ دعوت وارشاد کے ادارے اپنا کام کرنے میں مستعد ہیں۔ دارالافتا قدیم اور جدید مسائل میں عوام کی راہنمائی کر رہا ہے۔ مجموعی طور پر پورے معاشرے میں خیر و بھلائی غالب ہے۔

عرب ممالک میں حالیہ مظاہروں کے دوران سعودی عرب کے علمائے کرام نے بڑا قابل تحسین کردار ادا کیا۔ مفتیٔ اعظم سمیت تمام علمائے کرام نے سیاسی مظاہروں کو شرعاً حرام قرار دیا جس کے نتیجہ میں گردوپیش ممالک میں مظاہروں کے باوجود سعودی عرب میں کسی قسم کا مظاہرہ نہیں ہوا۔ پورے ملک میں امن دوبارہ برقرار رہا۔ اس موقع پر سعودی قیادت نے بھی بڑی دانشمندی اور دور اندیشی کا ثبوت دیا۔

دیگر اہم شعبوں کے ساتھ ساتھ تمام دینی اداروں کو بھی دل کھول کر فنڈز مہیا کیے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ادارے کو ۲۰۰ ملین ریال، مساجد کی دیکھ بھال کے لیے ۵۰۰ ملین ریال، جمعیت تحفیظ القرآن الکریم کو ۲۰۰ ملین ریال، مکاتب جالیات (Call and Guidance Offices) کو ۳۰۰ ملین ریال، علمی اور تحقیقی کام کرنے والے ادارے کو ۲۰۰

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ملین ریال جس سے مملکت کے تمام دینی ادارے پہلے کی نسبت کہیں زیادہ مضبوط ہوئے ہیں۔ سعودی قیادت کو اس بات کا پورا شعور ہے کہ کتاب وسنت کے ساتھ مکمل وابستگی میں ہی سعودی عرب کی بقا ہے۔ آج کل سعودی عرب کے تمام چھوٹے بڑے شہروں میں جگہ جگہ حکومت کی طرف سے بڑے بڑے بینر لگے ہوئے نظر آتے ہیں جن پر أمننا في أيماننا (یعنی ہمارا امن ہمارے ایمان سے وابستہ ہے) تحریر ہے۔

ہماری ناقص رائے میں آج پوری دنیا میں اگر کوئی 'ماڈل اسلامی ریاست' ہے تو وہ سعودی عرب ہی ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی دوسری ریاست ہے تو اس کا نام بتایئے؟

ہمیں یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ آج کے پر فتن دور میں کفار تو سعودی عرب کے دشمن ہیں ہی، خود اسلامی ممالک پر ایک نظر ڈال کر دیکھ لیجئے کتنے سعودی عرب کے دوست ہیں اور کتنے دشمن اور پھر اپنے ہاں بھی عوام الناس پر ایک نظر ڈال لیجئے اور دیکھئے کہ عقیدۂ توحید کی اس محافظ ریاست کے عوام میں کتنے دوست ہیں اور کتنے دشمن؟ پوری دنیا میں پاکستان اور سعودی عرب دو ہی ملک ہیں جو ائمہ کفر کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہے ہیں۔ پاکستان ایٹمی قوت ہونے کی وجہ سے اور سعودی عرب اسلام کا منبع اور مرکز ہونے کی وجہ سے۔ عالمی طاقتیں دونوں ممالک کو غیر مستحکم کرنا چاہتی ہیں اور دونوں ممالک کے باہمی تعلقات بگاڑنا اسی منصوبہ کا حصہ ہے۔ اللہ نے چاہا تو دشمنانِ اسلام اپنی مکروہ سازشوں اور دسیسہ کاریوں میں ناکام اور نامراد ہوں گے، لیکن ایسے حالات میں جبکہ عالمی جلاد ننگی تلواریں سونتے کھڑے ہیں اور موقع کی تلاش میں ہیں کہ کب کسی کی گردن پر وار کریں۔ ہمیں یعنی عقیدۂ توحید کے حاملین کو بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیئے کہ زبان یا قلم سے شعوری یا لاشعوری طور پر کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے جس سے دشمنانِ توحید کا کام آسان ہو۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ عقیدۂ توحید کی محافظ سعودی حکومت کی حفاظت فرمائے۔ حاسدوں، شرپسندوں اور دشمنوں کی سازشوں سے محفوظ اور مامون رکھے اور اسے ساری دنیا میں کتاب وسنت کی خدمت اور توحید کے فروغ کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

محمد عطاء اللہ صدیقی

مسلم مشرق پر مغربی مظالم اور ردِّ امریکہ

[القاعدہ کے خلاف امریکی فردِ جرم پر ایک نظر]

اسلام اور عیسائیت اگرچہ الہامی مذاہب ہیں، مگر گزشتہ چودہ صدیوں میں اسلامی مشرق اور مسیحی مغرب کے درمیان بالواسطہ اور براہِ راست کشمکش، باہم پیکار اور تصادم کی فضا قائم رہی ہے۔ بیت المقدس میں بازنطینی رومی شہنشاہیت کی شکست کا احساس مسیحی اجتماعی نفسیات پر ہمیشہ غالب رہا ہے۔ یروشلم جیسے مقدس مقام کی بازیابی کی خواہش کو مسیحی کلیسا نے عوام اور حکمرانوں کے لئے ایک عسکری رومانویت بنا کر پیش کیا۔ تثلیث کے فرزندوں کو اِس رومانویت کو عملی شکل دینے کے لئے پانچ صدیاں انتظار کرنا پڑا کیونکہ اسلامی سلطنت کے سامنے وہ بے بس تھے۔ بالآخر گیارھویں صدی عیسوی میں خلافتِ اسلامیہ جب سیاسی انتشار سے دوچار ہوئی تو پورا یورپ مسلمانوں کو شکست دینے اور یروشلم (بیت المقدس) کی بازیابی کے 'مقدس' مشن کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ یاد رہے کہ اس 'مقدس جنگ' کی ہدایت پاپائے روم نے دی تھی۔ اسی لئے مسیحی افواج نے صلیب کو اپنا نشان بنالیا۔ مسیحی عساکر اِس صلیبی یلغار کے نتیجے میں یروشلم پر ۹۰ سال تک قابض رہے۔ بالآخر تاریخ اسلام کے عظیم ہیرو صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو بازیاب کرا کے صلیبیوں کو بحیرۂ روم کے اس پار دھکیل دیا۔ صلیبی جنگوں کا عرصہ کم و بیش ڈیڑھ سو سالوں پر محیط ہے۔ سپین پر مسلمانوں نے تقریباً آٹھ سو سال تک حکومت کی اور سسلی پر ان کا عرصۂ اقتدار اڑھائی سو سال سے بھی زیادہ ہے۔ پھر عثمانی ترکوں نے جب ۱۴۵۳ء میں بازنطینی سلطنت کے صدر مقام قسطنطنیہ پر قبضہ کرلیا تو مسیحی یورپ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات میں مزید شدت پیدا ہوگئی۔ عثمانی ترکوں نے یورپ کی راجدھانیوں کو عرصہ دراز تک لرزہ براندام کئے رکھا۔ اُنہوں نے مشرقی یورپ کے وسیع علاقے کو اپنی قلمرو میں شامل کرلیا، ان کی فاتح افواج ہواناتک جا پہنچیں۔ دوسری طرف صاحبقران امیر تیمور نے روسیوں کے دار السلطنت ماسکو کو تاراج کیا۔ گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں صدیوں کے دوران مسلمان یورپ کے حواس پر بری طرح چھائے رہے۔ اہل یورپ پر صرف احساسِ ہزیمت ہی نہیں، مسلمانوں سے مرعوبیت اور ان کے خوف کا احساس بھی غالب رہا۔ یہی ہزیمت اور خوف کی وہ طویل تاریخ ہے جس کے آئینے میں دورِ حاضر کے یورپ اور امریکہ کے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

حکمرانوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت اور انتقام کے جذبات کو بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔ اس دور کے یورپ کا لٹریچر ہمارے اس تجزیے کی تائید کرتا ہے۔

دوسری طرف دیکھا جائے تو اسلامی مشرق میں مسیحی مغرب کے خلاف ردِ عمل کی نفسیات اور نفرت کے جذبات پیدا کرنے میں بہت سے عوامل نے اپنا کردار ادا کیا ہے۔ قرونِ اول کے مسلمانوں نے محرف عیسائی مذہب کی مخالفت اس کے نظریۂ تثلیث کی بنیاد پر کی، بعد میں سیاسی کشمکش نے باہم آویزش کو فروغ دیا۔ صلیبی جنگوں کے دوران جس طرح مسیحی جنونیوں نے یروشلم اور دیگر علاقوں میں مسلمانوں کا قتل عام کیا، بلاشبہ مسلم ذہن اس سے شدید متاثر ہوا۔ ۱۴۹۲ء میں اندلس کی آخری پناہ غرناطہ پر جب مسیحی افواج نے قبضہ کرلیا تو مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا اور انہیں عیسائیت قبول کرنے کے لئے ناقابلِ بیان ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا۔ نہایت بے سروسامانی، ذلت اور نکبت کی حالت میں اُنہیں اندلس سے نکال دیا گیا۔ اٹھارہویں اور اُنیسویں صدی عیسوی میں یورپی استعماری اقوام نے عالم اسلام کے بہت بڑے حصے کو اپنی نوآبادیات میں شامل کرلیا۔ ایک وقت تھا کہ ترکی، سعودی عرب، افغانستان اور ایران (جزوی طور پر) کے علاوہ تمام اسلامی ممالک یورپی استعماریت کے پنجۂ استبداد کے نیچے کراہ رہے تھے۔ برطانیہ، فرانس، جرمنی، ہالینڈ، اٹلی، پرتگال اور روس کی استعماری طاقتوں نے نہ صرف مسلمانوں کے ملکوں پر سیاسی غلبہ حاصل کرلیا بلکہ اُنہوں نے پوری کوشش کی کہ اُنہیں اپنی تہذیب و ثقافت چھوڑ کر مغربی تہذیب کو اپنا لینے پر مجبور کر دیا جائے۔ دین وایمان کی حفاظت ہر مسلمان ایک متاعِ عزیز جان کی طرح کرتا ہے۔ وہ مال واسباب سے محرومی برداشت کرلیتا ہے مگر اپنے دین پر ڈاکہ ڈالنے کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔

فاتح استعماری اقوام نے مقبوضہ علاقوں میں کلیسا کے ذریعے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی ناپاک مہم برپا کی۔ متعصب مستشرقین نے اسلام اور اسلامی کلچر پر توہین آمیز حملے کئے۔ پیغمبر اسلام ﷺ فداہ اُمّی وابی کی ذاتِ اقدس کی اہانت کے ذریعے مسلمانوں کے قلوب کو چھلنی کیا جاتا رہا۔ اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ یورپی اقوام نے عہدِ استعماریت میں عالم اسلام کے مادی وسائل کو جی بھر کر لوٹا۔ سونا، چاندی، اور قیمتی دھاتوں کے وسیع ذخائر پر ہاتھ صاف کئے۔ یہاں سے خام مال لیکر اپنی صنعتوں کو ترقی دی اور پھر نوآبادیات کو صارفین کی منڈیوں کے طور پر استعمال کیا۔ یہ تاریخ کا بدترین اور طویل ترین معاشی استحصال تھا جس کا عالم اسلام نے سامنا کیا۔ پھر جنگِ عظیم دوم کے بعد جب مشرقِ وسطی، ہندوستان اور افریقہ کے مسلمان ممالک نے یورپی استعمار سے سیاسی آزادی حاصل کی تو یہاں کے باشندوں کی فطری خواہش تھی کہ اُنہیں اپنے دین ومذہب، ثقافتی وتہذیبی اقدار اور نظام ہائے حیات کے مطابق اپنی حکومتیں چلانے کی آزادی میسر ہو، وہ اپنی مرضی سے اپنے معاشی وسائل کو اپنے عوام کی ترقی وبہبود کے لئے استعمال کرسکیں مگر یہ بات استعماری اقوام

کے لئے قابل قبول نہ تھی۔ اُنہوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ عالم اسلام میں مغرب کے حامی حکمران برسر اقتدار رہیں۔ بظاہر سیاسی محکومی سے آزاد ہونے والے اسلامی ممالک کو فکری محکومی اور ثقافتی استعماریت کو قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔

ارضِ فلسطین پر صہیونیوں کو قابض کرا کے فلسطینی مسلمانوں کو اپنے وطن سے محروم کر دیا گیا۔ مسلمانوں کے تیل کے وسائل پر قبضہ کرنے کے لئے سیاسی چالوں، معاشی پالیسیوں کے ساتھ ساتھ ان پر جنگیں مسلط کی گئیں۔ اُنہیں تباہ و برباد کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ عراق، افغانستان اور دیگر مسلمان ملکوں پر خوفناک جنگ مسلط کر کے ان پر قبضہ کر لیا گیا۔ اسرائیل نے بارہا فلسطینی مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے، مگر امریکہ اور یورپی ریاستوں نے اسے منع کرنے کی بجائے اس کی ہر ممکن طریقے سے مدد کی۔ ایسے حالات میں عالم اسلام میں اگر امریکہ مخالف جذبات پیدا ہوئے، تو یہ ایک فطری امر ہے!

ردِّ امریکیت

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو دو مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ ایک امریکہ وہ ہے جسے اُس کی جمہوری روایات، مساوات اور آزادی اور اعلیٰ انسانی اقدار اور کثرت پسندی کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔ ۱۷۷۶ء میں برطانیہ سے آزادی حاصل کرنے کے بعد امریکہ کے پہلے صدر جارج واشنگٹن کی قیادت میں جس ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا قیام عمل میں لایا گیا، اس میں اعلیٰ انسانی قدروں کی پاسداری اور وفاقی نظام کے تحت جمہوری ریاست کے آئینی ڈھانچے کو بے حد اہمیت دی گئی۔ یہی امریکہ ہے جو بعد میں لبرل ڈیموکریسی کی علامت کے طور پر دنیا کے نقشے پر اُبھرا۔ اس امریکہ کی فکری اساس کی جھلک ہمیں جارج فرینکلن، جیفرسن، تھامس آدم، ابراہم لنکن، وڈرو ولسن اور روز ویلٹ جیسے مشہور امریکی صدور کے 'سٹیٹ آف دی یونین' خطبات میں نظر آتی ہے۔ ہر امریکی صدر اپنی پہلی تقریر میں ان امریکی اقدار کا ذکر بڑے تفاخر سے کرتا ہے۔

ایک دوسرا 'امریکہ' بھی ہے جو بالکل ہی متضاد صورت پیش کرتا ہے۔ یہ امریکہ بالفعل جنگ عظیم دوم کے بعد عالمی سٹیج پر ایک سپر پاور کی صورت میں نمودار ہوا۔ یہ برطانیہ، فرانس، جرمنی، ہالینڈ اور اٹلی جیسی یورپی استعماری قوتوں کی معاشی تباہی کے بعد ان کے جانشین کی صورت میں سامنے آیا۔ اس دور میں اس کی خارجہ پالیسی میں اساسی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اس دوسرے امریکہ نے پہلے امریکہ کے انسانی قدروں پر مشتمل اعلیٰ تصورات کو پامال کرتے ہوئے اپنے استعماری سفر کا آغاز ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بموں سے تباہی پھیلا کر کیا۔ جنگ عظیم دوم کے بعد اس امریکہ نے کمیونزم کے خلاف عالمی پولیس مین کا کردار ادا کیا۔ سوویت یونین اور امریکہ کے درمیان طویل

magazine.mohaddis.com

فکری تصادم اور کشمکش کو 'سرد جنگ' کا نام دیا گیا جس کا خاتمہ ۱۹۸۹ء میں اوّل الذکر کی شکست وریخت پر ہوا۔

امریکہ کو جمہوریت کے محافظ کی حیثیت سے جہاں خراجِ تحسین پیش کیا گیا، وہاں اوّل دور سے ہی امریکی قوم کو نفرت اور تعصب کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ امریکی دانشور اسے ردِ امریکیت یعنی Anti-Americanism کا نام دیتے ہیں۔ اس موضوع پر وسیع لٹریچر موجود ہے۔ ردِ امریکیت کو عام طور پر تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے:

پہلا دور امریکی انقلاب کے چند سال بعد شروع ہوتا ہے اور جنگ عظیم دوم کے خاتمہ یعنی ۱۹۴۵ء تک جاری رہتا ہے۔ اس دور میں یورپ کی ترقی یافتہ اقوام کی طرف سے امریکہ کو ثقافتی پسماندگی کا طعنہ دے کر تحقیر کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔

ردِ امریکیت کا دوسرا دور 'سرد جنگ' کا دور ہے۔ اس میں بائیں بازو کے انتہا پسند لبرل دانشوروں نے امریکہ کے سرمایہ دارانہ استحصالی کردار کو سخت تنقید کا نشانہ بنائے رکھا۔ کمیونزم کے عالمی پھیلاؤ کی وجہ سے ردِ امریکیت کا یہ دور بے حد اہم شمار کیا جاتا ہے۔

۹/۱۱ کے بعد سے ردِ امریکیت کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے، اس دور میں اسلامی جہادی تحریکوں کی طرف سے امریکہ کے خلاف بھرپور مہم چلائی گئی۔ امریکہ کے خارجہ پالیسی پر صہیونی لابی کے اثرات، مسئلہ فلسطین میں امریکہ کی طرف سے اسرائیل کی کھلم کھلا حمایت، عالم اسلام کے وسائل پر زبردستی قبضہ اور امریکہ کے استعماری عزائم کے حوالے سے اس کے بھیانک کردار کو واضح کیا گیا۔ امریکہ پر زور دیا گیا کہ وہ مشرقِ وسطیٰ کے علاقوں سے اپنی فوجیں نکال لے اور آمر حکمرانوں کی سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لے۔ مشرقِ وسطیٰ اور عالم اسلام پر امریکی فوجی یلغار نے ردِ عمل کے جذبات کو مزید انگیخت دی۔ جہادی عسکریت پسندوں کی طرف سے ردِ امریکیت کا یہ مرحلہ دنیا کی واحد سپر پاور کے لئے کافی اہمیت اختیار کر گیا جس کا دنیا بھر میں امریکہ خوب ڈھنڈورا پیٹتا ہے۔

ردِ امریکیت کی اس آخری صورت کے حقیقی اسباب کا معروضی جائزہ لئے بغیر القاعدہ یا اُسامہ بن لادن کی امریکہ کے خلاف عسکری جدوجہد کو اس کے صحیح تناظر میں سمجھنا نہایت دشوار امر ہے۔ آخر کوئی تو وجہ تھی کہ یہ جہادی گروہ ایک سپر پاور کی بے پناہ فوجی طاقت اور تباہ کن ہتھیاروں کی پروانہ کرتے ہوئے اپنی جانوں پر کھیل گئے۔ آج جس بات کو دہشت گردی، عسکریت پسندی، انتہا پسندی کہا جارہا ہے، اس کے فروغ پانے کے اسباب بھی تو کچھ ہوں گے۔ ہمارے ہاں جب اس طرح کے سوالات اُٹھائے جاتے ہیں تو بعض جذباتی افراد اسے دہشت گردی کو 'جواز' عطا کرنے کی کاوش قرار دیتے ہیں۔ منطقی طور پر کسی چیز کا جواز اور چیز ہوتا ہے، تاہم اس کے ظہور پذیر ہونے کی وجوہات کا تعین کرنا ایک بالکل ہی مختلف امر ہے۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اُسامہ بن لادن اور ردِ امریکیت

بہت سی تاریخی شخصیات کو متنازعہ قرار دیا گیا ہے۔ مگر ہماری معلومات کے مطابق اُسامہ بن لادن '۱' کے علاوہ کوئی دوسری شخصیت ایسی نہیں ہے جسے ایک طرف 'رئیس المجاہدین' کا نہایت قابل احترام اعزاز بخشا جاتا ہو، تو دوسری طرف اُسے 'دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد' بھی کہا جاتا ہو۔ بلاشبہ یہ دونوں القاب دینے والوں کی سوچ میں بعد المشرقین ہے۔ آج دنیا اُسامہ بن لادن کا ذکر جس طرح چاہے کرے مگر اس کے بدترین دشمنوں کو بھی یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ وہ ایک غیر معمولی انسان اور کرشماتی شخصیت تھے۔ جن لوگوں کو اُسامہ بن لادن کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے، وہ بطور انسان اس کے اوصافِ حمیدہ کے معترف ہیں۔ ان دنوں ذرائع ابلاغ میں اسامہ بن لادن کے خاندانی پس منظر، بچپن، جوانی اور جہاد افغانستان میں شرکت کے متعلق جو معلومات دی گئی ہیں، اس سے یہ تاثر پیدا نہیں ہوتا کہ وہ طبعی طور پر کوئی خونخوار درندہ صفت انسان تھے۔ ان میں ہر وہ خوبی تھی، جو اُن کے خاندان کے دیگر افراد میں تلاش کی جاسکتی ہے۔ یہ تفصیلات اس مضمون کے مرکزی موضوع سے مناسبت نہیں رکھتیں، لہٰذا ان سے صرفِ قلم کیا جاتا ہے۔

---

۱ جب سے امریکہ نے دعویٰ کیا ہے کہ ۲ مئی کے ایبٹ آباد آپریشن میں القاعدہ کے سربراہ اسامہ بن لادن کو ہلاک (ہمارے خیال میں شہید) کر دیا گیا ہے، میڈیا اور اخبارات میں اُس کے متعلق اس قدر پروگرام نشر اور مضامین شائع ہوئے ہیں، اگر انہیں مدوّن کر دیا جائے تو ہزاروں صفحات پر مبنی ضخیم کتاب تیار کی جاسکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ پندرہ برسوں میں امریکی اور مغربی ذرائع ابلاغ نے ایک دولت مند عرب خاندان کے اس چشم وچراغ کے خلاف منفی پروپیگنڈے کا اس قدر طومار باندھا ہے کہ خود امریکی کالم نگاروں نے بارہا تحریر کیا کہ اسامہ بن لادن دنیا میں سب سے زیادہ جانا جانے والا (Well-Knwon) شخص ہے۔ دنیا کی معروف شخصیات میں شاید ہی کوئی شخصیت ہو جس کے مخالف نہ ہوں۔ مگر عالمی تاریخ کا شاید ہی کوئی کردار ایسا ہو جو اتنا متنازع فیہ ہو جتنا کہ اسامہ بن لادن ہے۔ گزشتہ ایک صدی کے دوران استعماری سرمایہ دارانہ نظام نے جرمنی کے ہٹلر، روس کے سٹالن اور عراق کے صدام حسین کے خلاف بلاشبہ اس قدر شدت سے پراپیگنڈہ کیا کہ پڑھنے اور سننے والوں (بالخصوص اہل مغرب) کو وہ 'شیطانِ مجسم' دکھائی دینے لگے۔ مگر اسامہ بن لادن کے خلاف مغربی میڈیا نے جس قدر زہر افشانی کی ہے، اس کا حجم مذکورہ بالا تینوں شخصیات کے اجتماعی حجم سے بھی سینکڑوں گنا زیادہ ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حالیہ برسوں میں انٹرنیٹ اور ٹی وی چینلز اور اخبارات کی تعداد میں جو اضافہ ہوا ہے وہ گزشتہ ادوار کے مقابلے میں کئی سو گنا زیادہ ہے۔ اسامہ بن لادن کو بے حد نفرت انگیز القابات سے نوازا گیا ہے۔ ایک بے حد حیران کن اور توہین آمیز لقب ملاحظہ کیجئے: Chief of the Terrorist Staff۔ یہ لقب بہت سے امریکی کالم نگاروں نے ایبٹ آباد آپریشن کے بعد بیان کرنا شروع کیا ہے۔ مغرب کا کم ظرف شیطانی دماغ اپنے مخالفین بالخصوص اہل اسلام کے لئے ایسے القابات تخلیق کرنے میں بے حد زرخیز واقع ہوا ہے۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ہمارے خیال میں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ سعودی عرب کے ارب پتی خاندان کا ایک نوجوان جہادِ افغانستان کی طرف مائل کیونکر ہوا؟ ایک دولت مند خاندان کے شہزادے نے عیش و عشرت کی زندگی ترک کر کے افغانستان جیسے سنگلاخ پہاڑوں کی سرزمین میں جہادی زندگی کو اپنا مقصدِ حیات کیونکر منتخب کر لیا؟ اس کے جہادی فکر کے ارتقا میں کن کن عوامل نے کردار ادا کیا؟ افغانستان سے سوویت یونین کی شکست خوردہ افواج کی واپسی کے بعد امریکی استعمار کے خلاف عالمی جہادی مہم برپا کرنے کا خیال اس کے ذہن میں کیسے پیدا ہوا؟ اور پھر امریکی مفادات پر حملوں کی منصوبہ بندی کیسے کی؟ اس کام کے لئے وسائل کیسے مہیا کئے؟ اگرچہ بارہا اس پر لکھا جا چکا ہے، مگر اب بھی اس سوال کو دہرانے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ۱۱/۹ کے واقعہ میں اُسامہ بن لادن کا ہاتھ تھا؟ ایک اہم سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اسامہ بن لادن کی آئیڈیالوجی کیا تھی اور کیا عالم اسلام اس آئیڈیالوجی پر عمل کرنے کا متحمل ہو سکتا ہے؟ آخر میں اُسامہ بن لادن کے مشن اور اس کی وضع کردہ حکمتِ عملی کے نتائج کا تذکرہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہاں ہم مغربی پریس کے اس نقطہ نظر کو پیش کرتے ہیں جو اُنہوں نے القاعدہ، بالخصوص اُسامہ بن لادن کے بارے میں بڑے تسلسل سے پھیلایا۔ ہمارے علم میں ہونا چاہئے کہ القاعدہ کے مخالف ان پر کیا فردِ جرم عائد کرتے رہے جس کے ساتھ ساتھ اپنے مختصر تبصرے میں ہم اس کا جائزہ بھی پیش کریں گے:

① ایبٹ آباد آپریشن کے دوسرے روز یعنی ۲ رمئی ۲۰۱۱ء کے 'روزنامہ واشنگٹن پوسٹ' میں اُسامہ بن لادن کے متعلق تفصیلی رپورٹ شائع ہوئی ہے۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے:

"وہ (اسامہ بن لادن) مٹھی بھر اسلامی انقلابیوں (Islamic Radicals) میں سے تھا، جس نے ۱۹۸۸ء میں سوویت فوج کے خلاف افغانستان میں برسرِ پیکار مختلف گروہوں کی سرگرمیوں کو منضبط کرنے کے لئے 'القاعدہ' کی بنیاد رکھی۔ جب سوویت یونین نے افغانستان سے اپنی افواج واپس بلا لیں تو القاعدہ نے ایک اور سپر پاور 'امریکہ' کو اپنی جدوجہد کا ہدف بنا لیا۔ بے حد جارحانہ مہم جوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے القاعدہ نے امریکہ پر سعودی عرب سے اپنی فوجیں واپس بلانے کے لئے شدید دباؤ ڈالنے اور عرب دنیا میں اپنے اتحادی حکمرانوں کی مدد سے دستبردار ہونے کے لئے دہشت گردی کے ایجنڈے کو اپنا لیا۔"[1]

اس رپورٹ میں بھی واضح طور پر اعتراف کیا گیا ہے کہ القاعدہ نے سعودی عرب میں امریکی افواج کی موجودگی کے خلاف شدید ردّ عمل کے طور پر 'دہشت گردی' کی پالیسی اپنائی اور دوسرا ان کا مطالبہ یہ تھا کہ امریکہ عرب ممالک کے حکمرانوں کی سرپرستی نہ کرے۔ ان مقاصد کے حصول

1 Story: "US Forces kill Bin Laden ending decade long hunt" *By* Score Wilson & Craig Whitlock, p 1

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کے لئے امریکی حکومت کو وہ دباؤ میں لانا چاہتے تھے۔ سعودی عرب کے مقدس مقامات کے متعلق حساسیت کا پایا جانا کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہے۔ القاعدہ ہی نہیں پوری دنیا کے مسلمان چاہتے تھے کہ امریکی افواج سعودی عرب سے نکل جائیں۔ یہ بے حد جذباتی معاملہ تھا، عرب نوجوانوں کے جذبات بے حد مشتعل تھے۔ اُن میں سے بہت سے نوجوان جو کچھ عرصہ پہلے جہادِ افغانستان میں عملی طور پر شریک رہے تھے، اُنہوں نے اُسامہ بن لادن کی آواز پر لبیک کہا۔ وہ اس بات سے قطعی طور پر بے پروا تھے کہ امریکہ کے خلاف مسلح جدوجہد کے نتائج کیا ہوں گے؟ یہ نوجوان بلاشبہ جذبۂ جہاد سے سرشار تھے مگر ان کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی۔ یہ تحریک عام مسلمانوں میں پذیرائی حاصل نہ کر سکی، کیونکہ وہ اِسے انتہا پسندانہ حکمتِ عملی سمجھتے تھے۔

معروف امریکی ہفت روزہ 'ٹائم' (۲۰؍ مئی ۲۰۱۱ء) نے The End of Bin Laden کے عنوان سے ایک خصوصی شمارہ شائع کیا ہے۔ اس کے سرورق پر اسامہ بن لادن کی تصویر شائع کی ہے مگر اس پر سرخ کراس X لگا دیا ہے۔ اُسامہ بن لادن سے نفرت کا یہ بے ہودہ اظہار مغربی صحافت کے ایک انتہا پسند طبقے کی ذہنیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس میگزین کے مینجنگ ایڈیٹر نے اپنے مختصر ادارتی نوٹ میں بیان کیا ہے کہ اس سے پہلے ایڈولف ہٹلر (۷ مئی ۱۹۴۷ء)، صدام حسین (۲۱؍ اپریل ۲۰۰۳ء) اور ابو مصعب زرقاوی (۱۹ جون ۲۰۰۶ء) کے متعلق خصوصی شماروں کی اشاعت میں ان کی تصویروں کو بھی صفحہ اوّل پر سرخ کراس کے ساتھ شائع کیا گیا تھا۔ ان شماروں کے عکس بھی تازہ شمارے میں دیئے گئے ہیں۔

④ 'ٹائم' کے مضمون نگار پیٹر برگن[1] نے القاعدہ کے تزویراتی مقاصد کی ناکامی پر تبصرہ کرتے ہوئے ہوئے لکھا ہے:

"پہلی نظر میں ۱۱؍۹ کا حملہ القاعدہ کے جہادی جتھے کی چونکا دینے والی فتح دکھائی دیتا تھا جس نے دنیا کی واحد سپر پاور کی ناک خون آلود کر دی تھی۔ لیکن اگر غور سے دیکھیں تو یہ بات کم اہم

---

1 پیٹر برگن نیو امریکہ فاؤنڈیشن میں نیشنل سیکورٹی پروگرام کے ڈائریکٹر کے طور پر فرائض انجام دے رہا ہے۔ اُس کی آخری کتاب حال ہی میں مارکیٹ میں آئی ہے، اس کا عنوان ہے: "The Longest War: The Enduring conflict between America and Al-Qaida"
روزنامہ ڈان (۸؍ مئی ۲۰۱۱ء) کے سنڈے میگزین میں اس کتاب پر مفصل تبصرہ شائع ہوا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ۱۹۹۷ء میں جب وہ CNN کا پروڈیوسر تھا، وہ مشرقی افغانستان میں اسامہ بن لادن سے ملا، جہاں اُس نے اُسامہ کا پہلا ٹیلی ویژن انٹرویو کیا۔ (ٹائم) وہ لکھتا ہے:
He struck me as intelligent and well-informed.
"اس کی غیر معمولی ذہانت اور باخبریت نے مجھے ششدر کر دیا۔"

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

نظر آتی ہے کیونکہ نیو یارک اور واشنگٹن پر حملوں سے بن لادن کے اہم تزویراتی ہدف Strategic Goal حاصل نہ ہوئے، اور یہ ہدف تھا مشرقِ وسطیٰ سے ریاست ہائے متحدہ کی واپسی کا، جس کے متعلق اس کا خیال تھا کہ وہ امریکی حمایت یافتہ آمریت پسند عرب حکمرانوں کے اقتدار کے خاتمہ کا باعث بنے گی۔"[1]

③ فرید زکریا کا نام محتاجِ تعارف نہیں۔ پہلے وہ 'نیوز ویک' میں کالم لکھتا تھا، آج کل Time سے وابستہ ہے۔ مزید بر آں CNN کا اینکر پرسن بھی ہے۔ اس کی رائے کو امریکہ اور مغرب میں بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ 'ٹائم' کے مذکورہ شمارے میں اس نے القاعدہ کی طرف سے امریکہ کو ہدف بنانے کے متعلق یوں خیال آرائی کی ہے:

"ریاست ہائے متحدہ امریکہ اُن کا ہدف بنا، کیونکہ ہم نے عرب آمریتوں کی پیٹھ ٹھونکی۔ القاعدہ ایک سعودی + مصری اتحاد ہے (بن لادن، سعودی اور ایمن الظواہری، مصری) جس کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ سعودی اور مصری اور دیگر عرب حکومتوں کا تختہ اُلٹایا جائے... 'القاعدہ' یقین رکھتا تھا کہ عرب دنیا سے آمریتوں کا تختہ اُلٹنے کا واحد راستہ تشدد کا ہے، ان کے خیال میں سیکولر سیاست میں حصہ لینا ارتداد میں شامل ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ لوگ اسلامی حکومت چاہتے ہیں۔"

پیٹر برگن کے تجزیے میں ریاست ہائے متحدہ کی مشرقِ وسطیٰ سے واپسی کو القاعدہ کا پہلا ہدف بتایا گیا ہے، مگر فرید زکریا نے عرب حکومتوں کے تختہ اُلٹنے پر توجہ مرتکز کی ہے۔ ہمارے خیال میں اُسامہ بن لادن نے بارہا مشرقِ وسطیٰ بالخصوص سعودی عرب سے امریکی استعماری افواج کی واپسی کے لئے جدوجہد کو اپنا مشن قرار دیا۔ وہ سعودی حکومت سے بھی اس وجہ سے اُلجھ پڑے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ امریکیوں کو ارضِ مقدس سے نکالنے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ مگر اُس نے اپنی تقاریر اور بیانات میں عرب حکومتوں کا تختہ اُلٹنے کو اپنا مشن قرار نہیں دیا۔ امریکی حکومت کے حامی صحافی اس بات کا پراپیگنڈہ شاید اس لئے کرتے ہیں تاکہ عرب حکمرانوں کو 'القاعدہ' یا جہادی انقلابیوں کے خلاف اقدامات کے لئے مشتعل کر سکیں۔ یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی مناسب ہوگا کہ پاکستان، افغانستان و عراق کے برعکس سعودی حکومت نے آخر کار اسامہ بن لادن کے اندیشے کو غلط کر دکھایا اور امریکی حکومت سے نجات حاصل کر لی۔

④ 'ٹائم' نے اسامہ بن لادن کی پیدائش (۱۹۵۷ء) سے لیکر اس کی ایبٹ آباد آپریشن میں مبینہ 'ہلاکت' (شہادت) کے سال بہ سال اہم واقعات کا مختصر خاکہ پیش کیا ہے۔ اس کے چند

---

1 ہفت روزہ ٹائم، "A long time going" by Peter Bargen

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

سالوں کا اندراج قابل توجہ ہے:

۱۹۹۰: ”عراق کا کویت پر حملہ: سعودی بادشاہت کی طرف سے امریکی افواج کی سعودی سرزمین پر قبولیت بن لادن کے سخت اشتعال کا باعث بنتی ہے۔ وہ ۱۹۹۱ء میں سعودی عرب کو چھوڑ کر سوڈان میں جا بستا ہے۔“

۱۹۹۶: ”بن لادن افغانستان واپس لوٹ آتا ہے، جہاں اُسے طالبان کی طرف سے القاعدہ کے تربیتی کیمپ قائم کرنے کی اجازت مل جاتی ہے۔ بن لادن امریکہ کے خلاف جہاد کا اعلان کرتا ہے۔“

۱۹۹۸: ”بن لادن اعلان کرتا ہے کہ امریکیوں اور ان کے اتحادیوں (فوجی اور شہری) کو قتل کرنا ہر مسلمان کا انفرادی فرض ہے۔ القاعدہ کے آدمی تنزانیہ اور کینیا میں امریکی سفارت خانوں کو بم کا نشانہ بناتے ہیں۔ جس سے ۲۲۴/ اشخاص (بشمول ۱۲ امریکی) مارے جاتے ہیں۔ امریکہ افغانستان میں القاعدہ کے کیمپ پر کروز میزائل سے حملہ کرتا مگر وہ بن لادن کو قتل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔“

ستمبر ۲۰۰۱ء: ”۱۱ ستمبر کے دن چار جہاز نیویارک سٹی میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر پینٹاگان سے ٹکراتے ہیں۔ ۱۹ ہائی جیکروں سمیت ۳۰۰۰ سے زیادہ لوگ جاں بحق ہوتے ہیں۔ ۱۶ ستمبر کو صدر جارج ڈبلیو بش، بن لادن کو سب سے بڑا مشکوک قرار دیتے ہیں۔ بن لادن ایک بیان جاری کرتا ہے:

”میں زور دے کر یہ بیان کرتا ہوں کہ میں نے یہ کام نہیں کیا۔“ [1]

اکتوبر ۲۰۰۱ء: ”جب طالبان بن لادن کی حوالگی سے انکار کرتے ہیں، امریکہ افغانستان پر حملہ کر دیتا ہے۔ ایک ویڈیو ٹیپ پیغام میں اسامہ بن لادن کہتا ہے:

”امریکہ پر خوف طاری ہو گیا ہے۔ الحمد للہ!“

اکتوبر ۲۰۰۴ء: ”امریکہ کے صدارتی انتخاب سے کچھ دن قبل بن لادن ایک ویڈیو ٹیپ جاری کرتا ہے، جس میں وہ پہلی دفعہ سارے جہاں کے سامنے تسلیم کرتا ہے کہ ۹/۱۱ کے حملوں میں القاعدہ ملوث تھا۔ بن لادن ۱۹۸۲ء میں اسرائیل کے لبنان پر حملے کا حوالہ دیتا ہے اور خبردار کرتا ہے کہ اس طرح کے حملے دوبارہ بھی ہو سکتے ہیں۔“ [2]

اُسامہ بن لادن کا ۲۰۰۴ء میں امریکی قوم سے خطاب

'ٹائم' نے جو خاکہ پیش کیا ہے، امریکی حکومت کا موقف بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ ان معلومات کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ صدر جارج ڈبلیو بش اور ان کی انتظامیہ ۹/۱۱ کے پانچ دن

---

۱ ہفت روزہ ٹائم: I stress that, I have not carried out this act، صفحہ ۴۲

۲ ہفت روزہ ٹائم: صفحہ ۴۲،۴۱

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کے بعد اُسامہ بن لادن کو مشکوک قرار دیتی ہے۔ گویا کہ اس سے پہلے اُنہیں اسامہ بن لادن کے متعلق شک نہیں تھا۔ اس ضمن میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ اُسامہ بن لادن نے بے حد زور دیکر انکار کیا کہ وہ ۱۱/۹ میں ملوث نہیں ہے، پھر وہ تین سال تک بالکل خاموش رہے۔ جب ۲۰۰۴ء کے امریکی انتخابات کے انعقاد میں محض چند روز باقی تھے، مغربی پریس یہ بتاتا ہے کہ انہوں نے اچانک منظر عام پر آکر یہ اعلان کیا کہ ۱۱/۹ کا اقدام القاعدہ نے کیا ہے۔ اُسامہ بن لادن کے اکتوبر ۲۰۰۴ء کے اس اعلان کے متعلق شکوک و شبہات وارد کئے جاتے رہے ہیں۔ وہ لوگ جن کے خیال میں اُسامہ بن لادن دسمبر ۲۰۰۱ء میں تورابورا پر شدید بمباری کے نتیجے میں شہید ہو گئے تھے، اس بیان کو جعلی قرار دیتے ہیں۔ ایک دوسرا گروہ ہے جو سمجھتا ہے کہ ۲۰۰۳ء میں گردوں کے مرض کی وجہ سے اُسامہ بن لادن کی طبعی موت واقع ہوئی، وہ بھی اس اعلان کی صداقت کو تسلیم نہیں کرتا۔ تیسرے گروہ میں وہ لوگ شامل ہیں جو اِسے 'سازش' قرار دیتے ہیں۔ ان کے نقطۂ نظر کے مطابق جارج ڈبلیو بش کو انتخابات میں دوبارہ کامیاب کرانے کے لئے یہ اعلان میڈیا پر چلایا گیا۔ اس بات کا اعتراف بہت سے امریکی صحافی بھی کرتے ہیں کہ اس اعلان کا سیاسی فائدہ جارج بش کو ملا، کیونکہ امریکیوں نے اُسامہ بن لادن سے نفرت کی بنا پر صدر جارج بش کی حمایت کی۔ البتہ امریکہ کے نو قدامت پسند اور صحافیوں کی اکثریت اب تک یہ سمجھتی ہے کہ یہ ویڈیو ٹیپ اُسامہ بن لادن کی آواز پر ہی مبنی ہے، لیکن قرائن بہرحال اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ ہماری معلومات کے مطابق القاعدہ کی قیادت نے اس ویڈیو ٹیپ کی میڈیا پر کبھی تردید تو نہیں کی تاہم اس بات کا قوی امکان ہے کہ اُن کی اس تردید کو میڈیا پر آنے ہی نہ دیا گیا ہو۔

اُسامہ بن لادن کی مذکورہ ویڈیو ٹیپ کا تحریری مسودہ (Transcript) انٹرنیٹ پر موجود ہے۔ یہ چار طویل صفحات پر مبنی ہے۔ اس میں اُسامہ بن لادن نے بنیادی طور پر امریکی عوام کو خطاب کیا ہے۔ اگر یہ خطاب اُسامہ بن لادن کا ہے، تو اس میں شک نہیں ہے کہ یہ بہت ہی زوردار خطاب ہے۔ بالفرض یہ ایک جعلی (Fabricated) خطاب ہے، تب بھی اس جعل سازی کے مرتکب کی کاوش حیران کن ہے۔

اُسامہ بن لادن کا ۲۰۰۴ء کا خطاب

حمد و ثنا کے بعد اسامہ بن لادن اپنے خطبہ کا آغاز ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "اے امریکہ کے عوام! یہ آج میری گفتگو آپ سے ہے۔ اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ دوسرے ۱۱/۹ سے بچاؤ کا مثالی راستہ کیا ہے، نیز اس جنگ کی وجوہات اور نتائج کیا ہیں؟ اس سے پہلے کہ میں اپنی تقریر کا باقاعدہ آغاز کروں، میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ 'سیکیورٹی' انسانی زندگی کا ایک ناگزیر ستون ہے۔ جارج بش دعویٰ کرتا ہے کہ ہم آزادی سے نفرت

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کرتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ آزاد انسان اپنی آزادی کو کبھی سلب نہیں ہونے دیتے۔ اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو اُسے چاہئے کہ وضاحت کرے۔ آخر ہم دوسرے ممالک مثلاً سویڈن پر حملہ کیوں نہیں کرتے؟... نہیں، ہم لڑائی کر رہے ہیں، کیونکہ ہم آزاد انسان ہیں جو ظلم کی شب میں سویا نہیں کرتے۔ ہم اپنی قوم کی آزادی کو بحال کرنا چاہتے ہیں۔ جیسے آپ ہماری قوم کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ بالکل اِسی طرح ہم بھی آپ کی قوم کو تباہ کریں گے۔ سوائے ایک بہرے چور کے کوئی بھی شخص نہیں جو دوسروں کی سیکورٹی (تحفظ) کے ساتھ کھلواڑ کرے اور پھر یہ بھی سمجھتا رہے کہ وہ خود محفوظ رہے گا۔"

پھر بیان کرتے ہیں:

"پس آج میں آپ کو بتاؤں گا کہ ان واقعات کے پیچھے اصل کہانی کیا ہے اور میں آپ کو دیانتداری سے بتاؤں گا کہ وہ کیا لمحات تھے جب یہ فیصلہ کیا گیا تاکہ آپ غور کر سکیں۔ میں آپ کو بتاتا ہوں، خدا جانتا ہے کہ ٹاورز کو تباہ کرنے کا خیال ہمارے ذہن میں کبھی نہیں آیا تھا۔ لیکن جب یہ ناقابل برداشت ہو گیا اور ہم نے دیکھا کہ امریکہ اور اسرائیل نے فلسطین اور لبنان میں ہمارے لوگوں کو جارحیت اور ظلم کا نشانہ بنایا ہے، تو یہ بات میرے ذہن میں آئی۔"[1]

اُسامہ بن لادن اس فیصلے تک کیوں پہنچے؟ اس کا پس منظر یوں بیان کرتے ہیں:

"وہ واقعات جنہوں نے میری روح کو براہِ راست گھائل کیا، ۱۹۸۲ء میں شروع ہوئے، جب امریکہ نے اسرائیل کو لبنان پر فوج کشی کی اجازت دی اور امریکہ کے چھٹے بیڑے نے ان کی امداد کی۔ اس بمباری میں بہت سے لوگ جاں بحق اور زخمی ہوئے، بے شمار لوگ وحشت زدہ ہو کر بے گھر ہونے پر مجبور ہوئے۔ میں ان دل دوز مناظر کو کبھی فراموش نہ کر سکا۔ ہر طرف خون اور بکھرے ہوئے اعضا، عورتیں اور بچے بے حد بری حالت میں۔ گھر اپنے مکینوں کے ساتھ تباہ کر دیئے گئے۔ ہمارے گھروں پر نہایت بے رحمی سے راکٹ برسائے گئے۔ ان صبر آزما لمحات میں بہت سے ناقابل بیان خیالات میرے دل میں آئے۔ بالآخر ظلم کے خلاف کھڑے ہونے کے شدید جذبات پیدا ہوئے اور ظالموں کو سزا دینے کا مضبوط عزم پیدا ہوا۔ اور جب میں نے ماضی میں جھانک کر لبنان کے تباہ شدہ ٹاورز کو دیکھا، میرے ذہن میں خیال پیدا ہوا کہ ہمیں بھی ظالم کو اسی انداز میں سزا دینی چاہئے اور ہمیں بھی امریکہ کے

1 اصل انگریزی الفاظ یہ ہیں: "It came to my mind." یہ جملہ پچھلی سطر میں 'ہمارے ذہن میں کبھی نہیں آیا' سے ہم آہنگ نظر نہیں آتا۔ 'میرے ذہن' کے الفاظ شک سے بری معلوم نہیں ہوتے۔ غالب امکان یہی ہے کہ یہ جملہ اُسامہ بن لادن کی طرف سے اعتراف کے ثبوت کے لئے شامل کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم!

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ٹاورز کو تباہ کرنا چاہئے تاکہ ہم نے جو کچھ چکھا، وہ بھی اس کا مزہ چکھ سکیں اور تاکہ آئندہ وہ ہمارے عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کر سکیں۔

پس کچھ اس طرح کی تصویریں میرے ذہن میں گھومتی رہیں۔ ۱۱ ستمبر کے واقعات ان عظیم غلطیوں کا جواب تھے۔ کیا ایک آدمی کو اپنی آبرو اور قوم کے تحفظ کے لئے الزام دیا جاسکتا ہے؟ کیا اپنے آپ کا دفاع کرنا اور ظالم کو ویسی ہی سزا دینا قابل اعتراض دہشت گردی ہے؟ اگر یہ ایسا ہے، تو پھر ہمارے لئے اس سے گریز ممکن نہیں۔"

راقم الحروف کا دل نہیں مانتا کہ اُسامہ بن لادن نے اس اسلوب میں بات کی ہو گی۔ فرض کیجئے کہ یہ الفاظ اُسامہ بن لادن کے ہیں تو ۱۱/۹ کے واقعات کے لئے جو جواز پیش کیا گیا ہے، وہ غیر منطقی اور ناقابل فہم ہے۔ ۱۹۸۲ء کے لبنان کے واقعات کا ۲۰۰۱ء میں بدلہ لینا کیا معنی رکھتا ہے؟ پھر اس کے لئے اسرائیل کی بجائے امریکہ کا انتخاب بھی عجیب لگتا ہے۔ اسلامی شریعت بھی اس جواز کو تسلیم نہیں کرتی۔

اس کے بعد امریکی عوام کو کہا گیا ہے کہ وہ اُسامہ بن لادن کی طرف سے 'ٹائم میگزین' (۱۹۹۶ء) سی این این (۱۹۹۵ء)، جان ویز Weiner (۱۹۹۸ء) اور رابٹ فسک کو دیئے گئے انٹرویوز کا مطالعہ کریں۔ ۱۱/۹ کے واقعات کے نتائج کا ذکر کرتے ہوئے اسامہ بن لادن کہتے ہیں:

"جہاں تک اس کے نتائج کا تعلق ہے، خدا کے فضل وکرم سے یہ انتہائی مثبت اور شاندار رہے ہیں اور ہر اعتبار سے یہ ہماری توقعات سے بڑھ کر رہے ہیں۔"[1]

اس خطاب میں اُسامہ بن لادن نے امریکی صدر سینئر بش کی جانب سے اپنے بیٹوں کو گورنر بنانے کے عمل کو طنز و تشنیع کا موضوع بنایا ہے اور اِسے عرب بادشاہوں کی تقلید کا نام دیا ہے۔ یہ بیان کرنے کے بعد کہ مجاہدین نے کس طرح روس کا دس سال تک مقابلہ کیا جس کے نتیجہ میں وہ دیوالیہ ہو گیا اور شکست کھا کر پسپا ہونے پر مجبور ہوا، وہ امریکہ کے متعلق اپنی پالیسی کا ذِکر دھمکی آمیز زبان میں یوں کرتے ہیں:

"پس ہم امریکہ کو خون میں نہانے کی اپنی پالیسی جاری رکھے ہوئے ہیں، اس وقت تک کہ جب امریکہ دیوالیہ ہو جائے۔ ان شاء اللہ ایسا ہو گا اور اللہ بزرگ وبرتر کی طاقت سے کچھ بھی ناممکن نہیں۔"

امریکہ کیلئے اس طرح کی جنگیں کس طرح فائدہ مند رہی ہیں۔ اسامہ بن لادن کے الفاظ ہیں:

"امریکہ کی جنگ کے بارے میں پالیسی یہ تقاضا کرتی ہے کہ ہر طرف جنگی محاذ (War

---

1 یہ بات بھی ناقابل فہم ہے کہ امریکیوں سے خطاب میں یہ اُسلوب کیونکر اختیار کیا جاسکتا ہے۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

(Fronts) کھولے جائیں تاکہ اس کی مختلف کارپوریشن مصروف رہیں خواہ وہ اسلحہ سازی، تیل یا تعمیرات کے کام کرتی ہوں۔"

خطاب کے آخری حصے میں اُسامہ بن لادن نے امریکی صدر جارج ڈبلیو بش جونیئر پر طنز کے تیکھے نشتر چلائے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے خطاب میں ایک عجیب انکشاف بھی کیا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ

"کمانڈر جنرل محمد عطا کے ساتھ ہم نے اتفاق کیا تھا کہ تمام آپریشن ۲۰ منٹ کے اندر ہی مکمل کرلئے جائیں، اس سے پہلے کہ بش انتظامیہ اس کا نوٹس لے مگر جارج بش کے سست ردّعمل کی وجہ سے اُنہیں تین گنا زیادہ وقت مل گیا۔"

اسامہ بن لادن کے طنزیہ جملے انگریزی میں درج کرنے کے لائق ہیں:

"It never occurred to us that the commander-in-chief of the American armed forces would abandon 50,000 of his citizens in the two towers to face those great horrors alone the time when they most needed him. But it seemed to him that occupying himself by talking to the little girl about the goat and its burning was more important than occupying himself with the planes and their butting of the sky-scrappers, we were given three times the period required to execute the operations."

"ہم نے کبھی نہ سوچا تھا کہ امریکی مسلح افواج کے کمانڈر انچیف اس وقت اپنے پچاس ہزار شہریوں کو دونوں ٹاورز میں اس خوفناک دہشت کا سامنا کرنے کے لئے تنہا چھوڑ دیں گے جب انہیں اس کی اشد ضرورت تھی۔ لیکن کیونکہ اس (جارج بش) نے خیال کیا کہ اُس کا ایک چھوٹی بچی سے ایک بکری' کے متعلق کہانی بیان کرکے خود کو مصروف رکھنا اس بات سے زیادہ زیادہ اہم تھا کہ وہ بلند و بالا عمارتوں سے ٹکرانے والے جہازوں کے متعلق توجہ کرتے۔ اس طرح ہمیں اپنے آپریشن کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تین گنا زیادہ وقت ملا گیا۔"

ان طنزیہ جملوں اور چوٹ (Taunting) کا امریکی میڈیا نے سخت نوٹس لیا۔ خود امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے اس پر شدید ردّعمل ظاہر کیا۔ خطاب کے آخر میں اُسامہ بن لادن نے امریکی

۱ جب جہاز ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرائے، جارج بش ایک سکول میں بچوں کے ساتھ موجود تھے۔ اُنہیں وہاں اطلاع دی گئی۔ اطلاع سن کر ان کا چہرہ فق ہوگیا مگر وہ اس وقت ایک بچی کو ایک بکری کی کہانی سنا رہے تھے۔ اُنہوں نے تقریباً سات منٹ میں اس اضطراب کی حالت میں وہ کہانی مکمل کی اور اس کے بعد تقریب سے چلے گئے۔ یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

عوام کو متنبہ کیا:

"آخر میں، مَیں آپ سے بالکل سچی بات کہتا ہوں کہ آپ کی سیکورٹی جان کیری (صدارتی امیدوار) یا جارج بش یا القاعدہ کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ آپ کی سیکورٹی (تحفظ) آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ اور ہر وہ ریاست جو ہماری سیکورٹی سے نہیں کھیلتی، وہ خود بخود اپنے آپ کو تحفظ عطا کرتی ہے۔"[1]

ہمارے خیال میں اس خطاب کے اصل اور جعلی، دونوں امکانات میں سے جعلی ہونے کا امکان غالب ہے، بہر حال ہم نے اس خطاب کے اہم حصوں کو بیان کر دیا ہے۔ اس خطاب میں ۱۹۹۱ء کی خلیجی جنگ میں عراقیوں کے قتل عام یا افغانستان پر امریکی حملے کا ذکر نہیں ہے، یہ بات بڑی حیران کن ہے۔ دوسری یہ بات بھی تعجب سے خالی نہیں کہ ۲۰۰۱ء میں تورابورا کی وحشیانہ بمباری سے بچ نکلنے کے تین سال بعد امریکی قوم سے اس طرح کا جسارت آمیز اور اشتعال انگیز خطاب کیا گیا۔

امریکہ کے خلاف اعلانِ جنگ ۱۹۹۶ء

اگست ۱۹۹۶ء میں اُسامہ بن لادن نے ایک 'مفصل اعلامیہ' شائع کیا جسے امریکی پریس نے 'بن لادن کا فتویٰ' کے نام سے تشہیر دی۔

ہمارے خیال میں اسامہ بن لادن کے فکری ارتقا، آئیڈیالوجی اور جہادی عسکریت کے محرکات کی معروضی تفہیم کے لیے یہ اعلامیہ اہم ترین دستاویز ہے۔ ۳۰ سے زیادہ مفصل صفحات پر پھیلا ہوا یہ اعلامیہ کسی تحقیقی مقالے سے کم نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسامہ بن لادن اکیلے کی دماغ سوزی کا نتیجۂ فکر نہیں ہے بلکہ القاعدہ کے دیگر علما نے بھی اس میں معاونت کی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ 'اعلامیہ' اصل ہے اور اس میں تحریف کا کم احتمال ہے۔ اس اعلامیہ کا جائزہ بے حد مفید ہو گا۔

خطبہ مسنونہ کے بعد قرآن مجید کی متعدد آیات[2] کا بیان ہوتا ہے۔

اعلامیہ کا آغاز صہیونی/صلیبی اتحاد کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف جا بجا بہیمانہ ظلم و ستم کے نہایت رقت آمیز تذکرہ سے ہوتا ہے۔ دنیا کے مختلف خطوں[3] میں خونِ مسلم کی ارزانی کا نوحہ پیش کرتے ہوئے مسلمانوں کے قلوب کو متاثر کرنے والا خطاب کیا گیا۔ اسلام دشمنوں کی لرزہ خیز بربریت اور اس پر اقوام عالم کی حیران کن بے حسی کا تذکرہ ہوتا ہے۔ انسانی حقوق کے علمبردار

---

۱ اس خطاب کا پورا متن ان ویب سائٹس پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:
Aljazeera.net/osamabinladen, www.worldpress.org

۲ مثلاً سورۃ آل عمران: ۱۰۲، النساء: ۱، الاحزاب: ۷۰، ۷۱، سورۂ ہود: ۸۸، اور آل عمران: ۱۱۰

۳ مثلاً لبنان، تاجکستان، برما، کشمیر، آسام، فلپائن، صومالیہ، اریٹیریا، چیچنیا، فلسطین اور بوسنیا وغیرہ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

امریکیوں کی طرف سے مسلمانوں کے انسانی حقوق کی پامالی اور اس کے خلاف مسلمانوں میں بیداری کی ایک نئی لہر پیدا ہونے کی تفصیلات دی جاتی ہیں۔ پھر تازہ ترین مگر اس بدترین جارحیت کا بے حد جذباتی انداز میں بیان ہوتا ہے جو حرمین شریفین کی مقدس زمین پر قبضے کی صورت میں کی گئی ہے۔ مسلمانوں کے مکرم ترین مقامات پر صہیونی/صلیبی افواج کے قبضے کا ذکر اس اعلامیہ میں متعدد مقامات پر آتا ہے۔ اس کے بعد اُسامہ بن لادن نے امریکی استعمار کی طرف سے علماے حق اور داعیانِ اسلام کو قید و بند کی سختیوں سے دوچار کرنے کا ذکر کیا ہے۔ ان کے خیال میں دشمنانِ اسلام ایسا اس لیے کر رہے ہیں تاکہ یہ علمائے کرام اپنے عظیم آباؤ اجداد (جیسے کہ ابن تیمیہ اور علی ابن عبد السلام) کی طرح اُمتِ مسلمہ کو دشمنانِ اسلام کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے کی ترغیب نہ دے سکیں۔ اُسامہ کہتے ہیں کہ مجاہد شیخ عبد اللہ عزام[1] کو امریکیوں نے قتل کیا اور مجاہد شیخ احمد یاسین اور مجاہد شیخ عمر عبد الرحمن کو اُنہوں نے گرفتار کیا۔ مزید برآں امریکیوں کے حکم کی تعمیل میں سعودی حکومت نے کثیر تعداد میں علما[2]، داعی اور نوجوان حراست میں لے لئے۔ پھر وہ بیان کرتے ہیں کہ کس طرح اُنہیں اور ان کے گروہ سے وابستہ افراد کو ناانصافی کا شکار کیا گیا۔ وہ بتاتے ہیں کہ اب وہ اُسی کوہستانی محفوظ سرزمین میں ہیں جہاں دورِ حاضر کے کفار کی سب سے بڑی فوج کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اب وہ اسی کوہ ہندوکش سے صلیبی و صہیونی اتحاد کے خلاف صف آرا ہیں۔

مندرجہ بالا اُمور پر تفصیل سے روشنی ڈالنے کے بعد اسامہ بن لادن اعلان کرتے ہیں:

"یہاں سے، آج ہم اپنے کام کا آغاز کرتے ہیں، ہم عالم اسلام بالعموم اور حرمین شریفین کی

---

۱ شیخ عبد اللہ عزام جہادِ افغانستان کے حوالہ سے معروف ہیں۔ اُنہوں نے پشاور میں مجاہدین کی تربیت کا مرکز قائم کیا ہوا تھا۔ ۱۹۸۶ء میں اُسامہ بن لادن بھی اس مرکز میں آئے۔ وہ عبد اللہ عزام کو اپنا فکری استاد مانتے تھے۔ ۱۹۸۹ء میں اُنہیں پشاور میں شہید کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ آخری برسوں میں وہ اسامہ بن لادن سے بہت خوش نہ تھے۔ ان کی شہادت کے بعد ان کی بیوی نے ایک انٹرویو میں اُسامہ بن لادن کے ساتھ ان کے اختلاف کا ذکر بھی کیا۔ ابھی حال ہی میں حافظ محمد زبیر تیمی نے 'تکفیر اور حاکمیت' پر اپنے ایک مضمون میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اسی مضمون میں سعودی عرب کے جید علما کی جانب سے اُسامہ بن لادن اور تکفیری تحریک کے دیگر جہادی سلفی علما کے خلاف فتاویٰ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ شیخ احمد یاسین چند سال پہلے اسرائیلی ریاست کی دہشت گردی کا نشانہ بنے۔ شیخ عمر عبد الرحمن ابھی تک امریکی شہر میں ہیں، ان پر الزام ہے کہ انہوں نے ۱۹۹۳ء میں رمزی یوسف کی طرف سے ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ کے معاملے میں معاونت کی تھی۔ وہ مصر کی جہاد اسلامی کے فکری رہنما ہیں۔ القاعدہ کے اہم رہنما ایمن الظواہری کا تعلق اسی جماعت سے ہے۔

۲ ان میں شیخ سلمان العودہ اور شیخ سفر الحوالی کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ہے۔ یہ علمائے کرام تکفیری تحریک کے نمایاں ترین نام بتائے جاتے ہیں، جن میں سے بعض نے اب رجوع بھی کر لیا ہے۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ارضِ مقدس کو بالخصوص جن مسائل کا سامنا ہے، اس کی اصلاح اور حل کی بات کریں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم ان تمام مسائل کا مطالعہ کریں جس سے ہم اس افسوسناک صورتِ حال کو دوبارہ اُس کی پہلی سطح پر لا سکیں تاکہ لوگوں کو ان کے حقوق واپس مل سکیں۔"

ان سطور سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقاصد کے حصول کا مصمم عزم کرچکے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے معاشرہ کے مختلف طبقات مثلاً شہری، فوجی، سرکاری ملازمین، تاجر، نوجوان، بوڑھے، طلبا کے ساتھ کی جانے والی ناانصافیوں اور ظلم کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ اُنہوں نے ایک ماہر معیشت دان کی طرح صنعت و زراعت، معیشت، افراطِ زر، غیر حکومتی قرضہ جات اور مہنگائی کو دلائل سے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہمارا ملک دنیا کا سب سے بڑا تیل برآمد کرنے والا ملک ہے؟ لوگ یقین کرتے ہیں کہ یہ ہم پر اللہ کا عذاب اسی لیے نازل ہوا ہے، کیونکہ ہم حکمرانوں کے ظلم اور غیر عادلانہ رویے کے خلاف آواز نہیں اُٹھاتے[1]۔ وہ سعودی حکومت کو الزام دیتے ہیں کہ وہ

"شریعت کو نظر انداز کر رہی ہے، لوگوں کے جائز حقوق غصب کر رہی ہے، حرمین شریفین کی ارضِ مقدس پر قبضہ کرنے کی اجازت دے رہی ہے۔[2] مخلص علما کو قید و بند کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ حکمرانوں کے اقدامات سلطنت کو تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔"

اُسامہ کہتے ہیں کہ ہر طبقہ فکر کی طرف سے اس صورت حال کی اصلاح کے لیے متعدد بار کاوشیں کی گئی ہیں۔ اب حکومت دو اسباب کی بنا پر اپنا جواز کھو چکی ہے:

⑤ عوام کے جان و مال کے تحفظ میں ناکامی اور امریکی صلیبی افواج کو ارضِ مقدس پر قبضہ کرنے کی اجازت دے کر اس تباہ کن صورتِ حال کو پیدا کرنے کی ذمہ دار حکومت ہے۔

⑥ اسلامی شریعت کی معطلی اور اس کے بدلے میں انسانوں کے بنائے ہوئے (وضعی) شہری قوانین کا نفاذ۔ حکومت نے حق گو علما کے خلاف محاذ کھولا ہے اور صالح نوجوانوں پر ظلم کیا ہے۔

اُسامہ کہتے ہیں کہ اصلاح احوال کی تمام تجاویز کو حکومت نے مضحکہ خیز اور بے ہودہ قرار دے کر مسترد کر دیا۔ مئی ۱۹۹۱ء میں چار سو افراد جن میں علما، تاجر، ریٹائرڈ فوجی حکام، ماہرین تعلیم اور دانشوروں کی طرف سے شاہ فہد کو ایک خط ارسال کیا گیا تھا جس میں ناانصافی کے خاتمے کی درخواست کی گئی تھی مگر اس خط کو نظر انداز کر دیا گیا۔

اُسامہ بن لادن نے ۱۹۹۴ء میں بادشاہ کو پیش کی جانے والی ایک اہم یادداشت کا بھی ذکر کیا ہے

---

۱ ضروری نہیں کہ تمام لوگ اس طرح سوچتے ہوں۔ مقرر کی جانب سے اس میں حسن مبالغہ کو بھی کافی دخل ہے۔
۲ اس مضمون کے آخر میں ہم جائزہ لیں گے کہ اس الزام میں کس قدر صداقت ہے؟

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

جس میں مسائل کی تشخیص اور اس کا 'سائنسی حل' پیش کیا گیا تھا۔ مگر اس رپورٹ کو بھی مسترد کر دیا گیا۔ ان کا کہنا ہے کہ

"اب یہ بات بالکل واضح ہے کہ اصلاح کے علمبردار پُرامن ذرائع کے استعمال میں بے حد سنجیدہ تھے تاکہ ملک کا اتحاد قائم رہے اور خون ریزی کا خاتمہ ہو۔ پھر ایسا کیوں ہے کہ تمام پُرامن راستے بند کر دیئے ہیں اور لوگوں کو مسلح جدوجہد کی طرف دھکیل دیا ہے[1]۔ اب یہ واحد راستہ ہے جو بچ گیا ہے تاکہ عدل وانصاف کا قیام عمل میں لایا جاسکے۔"

پھر وہ کہتے ہیں کہ امریکی/اسرائیلی اتحاد کی خواہش ہے کہ سعودی عرب کے شہری اور فوج آپس میں لڑیں، مگر عوام ان کے اس شیطانی منصوبے سے باخبر ہیں جو وہ اپنے ایجنٹوں (سعودی حکمران) کے ذریعے یہاں پایۂ تکمیل کو پہنچانا چاہتے ہیں۔ بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں:

"اس لیے سب اس بات پر متفق ہیں کہ اس صورتِ حال کی اصلاح نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس مسئلے کی اصل جڑ نہ کاٹ دی جائے۔ اس لیے اب ضروری ہوگیا ہے کہ اصل دشمن[2] پر ضرب کاری لگائی جائے جس نے گذشتہ کئی دہائیوں سے اُمت کو چھوٹے بڑے ملکوں میں تقسیم کر کے انتشار پھیلا رکھا ہے۔"

مندرجہ بالا سطور اس خطبے کا Climax (نقطۂ عروج) ہیں۔ اس کے بعد مختلف حوالہ جات کے ذریعے انہوں نے امریکہ کے خلاف اس اعلانِ جنگ کو جواز عطا کرنے کے لیے دلائل کی بھرمار کی ہے۔ دلائل کا رنگ عقلی سے زیادہ جذباتی ہے۔

اپنی رائے کو بظاہر 'علمی اور شرعی' جواز عطا کرنے کے لیے علامہ ابن تیمیہ کے ایک قول اور فتویٰ کو تائیدی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اسامہ بن لادن کے خطاب کا یہ حصہ اصل الفاظ میں درج کیا جاتا ہے:

"ان سارے سوالات کا جواب یہ ہے کہ ہم وہ راستہ اختیار کریں جس کا اہل علم نے فیصلہ کیا[3]۔ مثلاً ابن تیمیہ نے فرمایا: "اہل اسلام کو فوج میں شامل ہونا چاہیے اور اس 'کفر عظیم'

---

۱ یہ غور طلب بات ہے کہ یہاں امریکہ کی بجائے سعودی حکومت کو الزام دیا جارہا ہے کہ اُس نے اُنہیں مسلح جدوجہد کی طرف دھکیل دیا۔

۲ یعنی صلیبی/صیہونی اتحاد (The Zoinist/Crusader Alliance)

۳ علامہ تقی الدین ابن تیمیہ تیرہویں صدی عیسوی کے نابغۂ عصر تھے۔ اُنہوں نے تاتاریوں کے خلاف اسلامی لشکر کے ساتھ مل کر جہاد کیا۔ انہوں نے بے شمار موضوعات پر ۴۰۰ سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں۔ بعض صاحبانِ علم انہیں تاریخ اسلام کا سب سے بڑا مجدد قرار دیتے ہیں۔ عالم عرب میں حنابلہ اور سلفی تحریکیں ان کے افکار سے متاثر ہیں، بالخصوص سعودی عرب میں ان کو وہی حیثیت اور مقام حاصل ہے جو احناف کے ہاں امام

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

سے نجات حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے جو مسلمانوں کے ممالک پر قبضہ کئے ہوئے ہے۔ اگر اس بڑے کفر سے چھٹکارا پانے کے لیے کچھ نقصان بھی برداشت کرنا پڑے تو کرلینا چاہیے۔"

اس کے بعد اُسامہ بن لادن مسلمانوں کو ان کے اہم ترین فرض کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اگر ایک سے زیادہ فرائض کو ادا کرنے کا معاملہ ہو تو اہم ترین فرض کو ترجیح دینی چاہیے۔ یہ بات واضح ہے کہ ایمان کے بعد کوئی دوسرا فرض اتنا اہم نہیں ہے جتنا کہ امریکی دشمن کو ارضِ مقدس سے نکال باہر کرنا اہم ہے۔ سوائے ایمان کے تحفظ کے کسی دوسرے فرض کو اس پر فوقیت نہیں دی جاسکتی۔"

ابن تیمیہ نے فرمایا:

"مذہب اور ایمان کے تحفظ کے لئے جہاد کرنا مسلمانوں کا اجتماعی فریضہ ہے، ایمان کے بعد دوسرا کوئی بھی فرض اس سے زیادہ اہم نہیں ہے کہ اس دشمن کے خلاف جہاد کیا جائے جو مسلمانوں کی جان اور ان کے مذہب کو خطرات لاحق کرتا ہے۔ اس فرض کی ادائیگی کے لیے کوئی پیشگی شرط نہیں ہے۔ دشمن کے خلاف پوری قوت سے لڑنا چاہیے۔" (فتاویٰ ابن تیمیہ)

ایک اور جگہ ابن تیمیہ تاتاریوں کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"خدا کی رضا کے حصول، اعلائے کلمۃ الحق، اس کے مذہب کو استحکام دینے اور اس کے محبوب پیغمبر اکرم ﷺ کی اطاعت کے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کا تقاضا ہے کہ دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ ہر اعتبار سے اور مکمل طور پر اگر مذہبِ اسلام کو لاحق خطرہ، دشمن کے خلاف نہ لڑنے کی نسبت لڑنے کی صورت میں زیادہ ہے، تب بھی یہ ان کا فرض ہے کہ دشمن سے لڑیں، اگرچہ بعض لڑنے والوں کی نیت بھی خالص نہ ہو۔ دو خطرات میں سے بڑے خطرے کو ٹالنا اسلام کے اُصولوں میں شامل ہے جس پر عمل کرنا چاہیے۔" (مجموع الفتاویٰ)

اُسامہ بن لادن نے اپنے خطاب میں مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ آپس میں نہ لڑیں کیونکہ اس طرح مسلمانوں کی افرادی قوت اور ان کے مالی وسائل تباہ ہوجائیں گے جس کا نتیجہ مسلم معاشرہ میں انتشار اور فساد کی صورت میں سامنے آئے گا۔ اندرونی جنگ بہت بڑی غلطی ہے، خواہ

ابو حنیفہ کو حاصل ہے۔ اُنہوں نے تاتاری فتنے کو 'کفر عظیم' قرار دیا۔ القاعدہ کی طرف سے علامہ ابن تیمیہ کی مندرجہ بالا رائے سے استنباط قیاس مع الفارق کی کوئی صورت ہوسکتی ہے، ورنہ ان کا مقصود یہ نہیں تھا جو سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ اُنہوں نے تو مسلمانوں کو 'اسلامی فوج' میں شامل ہوکر 'کفر کبیر' کا مقابلہ کرنے کے لیے ترغیب دی تھی۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اس کی وجوہات کچھ بھی ہوں۔ ان جنگوں کے نتیجے کے طور پر قابض امریکی افواج بین الاقوامی کفر فائدہ اٹھائے گا۔[1]

اُنہوں نے ایک دفعہ پھر خبردار کیا کہ

"خلیج کی ریاستوں میں صلیبی امریکی فوج کی موجودگی دنیا کے تیل کے سب سے بڑے ذخائر کے لیے سنگین خطرہ ہے۔" اُنہوں نے مسلمان مجاہدین کو ہدایت کی کہ "وہ مسلمانوں کی اس دولت کی حفاظت کریں۔ یہ ایک عظیم اسلامی دولت ہے جو ان شاء اللہ عنقریب قائم ہونے والی اسلامی ریاست[2] کے لیے اقتصادی طاقت فراہم کرے گی۔"

اس کے بعد فوج اور سکیورٹی فورسز کے 'بھائیوں' کی طرف ان کا روئے سخن ہوتا ہے۔ یہاں اسامہ بن لادن کا انداز خطاب بے حد ولولہ انگیز ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے قدیم عرب قبائل کا کوئی سردار کسی مخالف قبیلے سے جنگ کرنے کے لیے قبیلے کے نوجوانوں کو جنگ کا جوش دلا رہا ہو۔ وہ یوں خطاب کرتے ہیں:

"اے دین و ایمان کے محافظو! اے اپنے عظیم اسلاف کے فرزندو! وہ اسلاف جنہوں نے ہدایت کا نور پوری دنیا تک پہنچایا، اے سعد بن ابی وقاص اور ان کے عظیم رفقا کے بیٹو! اے مجاہدین اسلام کے روحانی فرزندو! تم نے تو فوج میں اسی لئے شمولیت کی تھی تاکہ تم اللہ کے راستے میں جہاد کرو اور حرمین شریفین کی مقدس سرزمین کو صلیبیوں سے محفوظ رکھو، مگر حکومت نے ان اُصولوں کو تبدیل کر دیا ہے۔ صلیبیوں کو حرمین شریفین کی ارض مقدس پر قبضے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ اس ارض مقدس کے سینے پر امریکی اڈے بنا دیئے گئے۔ تمہیں تو معلوم ہے کہ ان امریکی افواج کا حجم کتنا ہے، ان کے ارادے کیا ہیں اور اُن کی موجودگی سے کتنا خطرہ ہے۔"

اس کے علاوہ ۱۹۹۸ء میں بھی اسامہ بن لادن نے ایک فتویٰ صادر کیا جس میں ایک دفعہ پھر امریکہ کے خلاف اعلان جنگ کیا گیا۔ طوالت کی بنا پر اس کا ذکر مؤخر کیا جاتا ہے۔

امریکہ کے خلاف جہادی حکمتِ عملی کا ناقدانہ جائزہ

آج جب کہ اُسامہ بن لادن اس دنیا میں نہیں رہے اور القاعدہ کی قیادت کے اہم اراکین گرفتار کر لئے گئے ہیں یا امریکی افواج کے ہاتھوں جام شہادت نوش کر چکے ہیں اور ایمن الظواہری جیسے جو

---

۱ تحریک طالبان پاکستان کو اسامہ بن لادن کی اس ہدایت پر غور کرنا چاہیے۔

۲ گویا ان کے ذہن میں اسلامی ریاست کا قیام بھی تھا۔ شاید وہ اسی مقصد کے حصول کے لیے عرب حکمرانوں پر تنقید کرتے رہے۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

چند راہنما ابھی زندہ ہیں، وہ بھی خفیہ ٹھکانوں میں قیام پذیر ہیں، ضروری معلوم ہوتا ہے انقلابی جہادیوں کے اس استعمار مخالف گروہ کے مشن اور حکمتِ عملی کا ناقدانہ جائزہ لیا جائے۔

ہمارے خیال میں اُسامہ بن لادن اور القاعدہ کی قیادت کے مشن کے جواز کو کسی حد تک تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اگر ان کا مشن یہ تھا کہ امریکی افواج کو سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک سے واپس جانے پر مجبور کیا جائے اور اُنہیں تیل کے ذخائر پر قبضہ کرنے کی اجازت نہ دی جائے تو اس سے شاید ہی کوئی اختلاف کرے گا مگر ان مقاصد کے حصول کے لئے اُنہوں نے جس مسلح جدوجہد کو بطور حکمتِ عملی آگے بڑھایا، ان دس سالوں میں اُمتِ مسلمہ کو پہنچنے والے شدید نقصان کو دیکھتے ہوئے وہ لوگ بھی اس حکمتِ عملی کے مخالف ہوگئے ہیں جو کبھی امریکہ مخالف جذبات سے مغلوب ہوکر اسے درست سمجھتے تھے۔ ہمارے خیال میں انقلابی جہادیوں کی امریکہ مخالف جدوجہد کی ناکامی کے نمایاں اسباب درج ذیل ہیں:

① امریکہ کے خلاف عسکری حملوں کی حکمتِ عملی غیر دانش مندانہ اور غیر حکیمانہ تھی۔ ان کے پاس نہ مطلوبہ افرادی قوت تھی اور نہ ہی حربی وسائل کی فراہمی کا کوئی معقول بندوبست تھا۔ یمن کی سمندری حدود میں کھڑے امریکی بحری جہاز یو ایس ایس کول پر ایک دخانی کشتی سے اچانک حملہ کرکے تباہ کرنا مشکل ہے نہ کینیا اور تنزانیہ میں امریکی سفارت خانوں پر حملہ کرکے دو چار مسلح افراد کو ہلاک کرنا کوئی بڑا کارنامہ کہا جاسکتا ہے۔ اصل بات ان چھوٹے چھوٹے اشتعال انگیز واقعات کے مضمرات اور نتائج ہیں جن کو وہ ذہن میں رکھتے تو شاید ان اقدامات سے گریز کرتے۔ جوشِ جہاد میں وہ مستقبل میں پیش آنے والے ہولناک مناظر کو چشم تصور میں لانے سے بالکل قاصر رہے۔

② فرض کیجئے القاعدہ نے ۱۱/۹ کو امریکی سرزمین پر حملوں کی منصوبہ بندی کی تھی۔ اگر ان کا خیال یہ تھا کہ وہ امریکہ کی معاشی طاقت کی علامت ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور عسکری قوت کے مرکز پینٹا گون کو نقصان پہنچا کر امریکہ کو مشرقِ وسطیٰ سے نکلنے پر مجبور کردیں گے تو اِسے نرم ترین الفاظ میں ان کی عاقبت نا اندیشی کہنا چاہئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک سپر پاور اور طاقتور ریاست کی اجتماعی نفسیات اور اس کے ممکنہ ردعمل کے متعلق کوئی ادراک نہیں رکھتے۔ ایک علاقے کا جاگیردار ہو، یا عسکری طاقت کے نشہ میں سرشار امریکہ جیسی سپر پاور، طاقت کبھی ہار نہیں مانتی اور اس طرح کے اچانک حملوں کا جواب کئی گنا بڑے جوابی حملوں سے دیا کرتی ہے۔ یہ بات تو ایک معمولی فہم کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے مگر القاعدہ کی قیادت 'طاقت کی نفسیات' سے بالکل بے بہرہ نظر آتی ہے۔ ۱۱/۹ کے بارے میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس میں انسانی جانوں کی ہلاکت نے ایک جذباتی فضا پیدا کردی تھی۔ جو لوگ امریکہ کی خارجہ پالیسی سے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

سخت اختلاف بھی رکھتے تھے، اُنہوں نے بھی اس اقدام کو انسانیت کے خلاف ہولناک جرم قرار دیا۔ امریکہ نے اس جذباتی فضا کو افغانستان میں حملہ کے لئے بے حد ہنر مندی سے استعمال کیا۔ ان کے ذرائع ابلاغ نے نہ صرف امریکی قوم میں شدید انتقام اور خوف کے جذبات کو بھڑکایا بلکہ پوری دنیا میں امریکہ سے انسانی ہمدردی کے جذبات بھی پیدا کئے۔ بلاشبہ یہ ایک عدیم النظیر اور لرزہ خیز واردات تھی جس نے پوری دنیا کو اعصاب زدگی سے دوچار کر دیا۔

③ انتہا پسند انقلابی جہادی گروہ امریکہ میں نو قدامت پسندوں کی صورت میں بڑھتی ہوئی مسیحی انتہا پسندی کا بالکل اندازہ نہ کر سکے۔ 'تہذیبوں کے تصادم' کے فلسفے سے پرورش پانے والی زہریلی ذہنیت کو اُنہوں نے سنجیدہ مطالعے کا موضوع کبھی نہ بنایا۔ ان کی بدقسمتی تھی کہ جس وقت ۱۱/۹ کا واقعہ پیش آیا، اس وقت جارج ڈبلیو بش کی صدارت میں بشارتی مسیحی اور نو قدامت پسند اقتدار پر قابض تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے دل میں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف سخت نفرت پائی جاتی تھی۔ یہ مسلمانوں کے تیل کے ذخائر اور معدنی وسائل پر قبضے کے منصوبے بنائے ہوئے تھے، اگر ڈیمو کریٹس اقتدار میں ہوتے تو شاید القاعدہ کو تباہ کرنے کے لئے افغانستان پر حملہ نہ کرتے یا کم از کم اس فوجی یلغار کو اس قدر طول نہ دیتے۔ جارج ڈبلیو بش نے 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' کو 'کروسیڈ' (Crusade) کا نام دیا۔ یہ لفظ ان کی زبان سے انجانے میں نہیں نکلا تھا۔ انہوں نے اپنے دورِ اقتدار میں جس مذہبی جوش و خروش سے اس جنگ کو پھیلایا، بلاشبہ وہ اِسے 'کروسیڈ' سمجھ کر ہی آگے بڑھا رہے تھے۔

④ اسامہ بن لادن اور دیگر جہادی انقلابیوں کی ایک بہت بڑی غلطی یہ بھی تھی کہ انہوں نے امریکہ کے ساتھ ساتھ عالم عرب کے مسلمان حکمرانوں کے خلاف بھی محاذ کھول دیا۔ اُنہوں نے ان حکمرانوں کو نہ صرف امریکہ کے پٹھو قرار دیا بلکہ ان کے خلاف ارتداد کے فتاویٰ بھی جاری کئے۔ اس تکفیری مہم میں حتیٰ کہ خادم الحرمین الشریفین کو بھی نہ بخشا گیا۔ سعودی عرب کے جید علماءِ نے ان کے ایسے خیالات کو شر اور فساد پر مبنی قرار دیا اور بعض اکابر علماء نے انہیں دورِ حاضر کے خوارج قرار دے دیا۔ یہی وجہ ہے کہ انقلابی جہادیوں کو سعودی عرب اور دیگر عرب ریاستوں میں کوئی خاطر خواہ پذیرائی نہ مل سکی۔ وہ حکمرانوں کے ساتھ ساتھ مسلم عوام کی ہمدردی اور حمایت سے بھی محروم ہو گئے۔ اس شر انگیزی کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۹۴ء میں سعودی عرب کی حکومت نے اُسامہ بن لادن کو ملک چھوڑنے کا حکم دیا اور اِس کے حامیوں کی کڑی نگرانی شروع کر دی۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مولانا محمد یوسف انور

مولانا حافظ محمد اسماعیل روپڑی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حافظ محمد اسماعیل روپڑی کو اس جہانِ فانی سے رحلت کئے ہوئے نصف صدی ہونے کو ہے مگر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ

ابھی اس راہ سے گیا ہے کوئی　　　کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی!

مرکزی جامع مسجد اہلحدیث امین پور بازار، جامع مبارک اہلحدیث منٹگمری بازار میں ان کے خطباتِ جمعہ اور چوک گھنٹہ گھر و دھوبی گھاٹ کے میدان میں ان کی تقریریں اور برسوں پر پھیلی ہوئی کتنی ہی بھولی بسری غیر مربوط یادیں میری آنکھوں میں گردش کر رہی ہیں۔ کشادہ پیشانی، درمیانہ قد و قامت، وجیہ و بارعب اور خوش طبع و متواضع جاذبِ نظر شخصیت کے وہ مالک تھے۔ ان کی سحر انگیز خطابت کے بارے میں مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ ان جیسا شیریں بیان خطیب اور حکمت و دانش بھرا مقرر اُن کے بعد دیکھنے میں نہیں آیا جو اوّل تا آخر ایک موضوع پر اظہارِ خیال اور مقتضائے حال کے مطابق سخن آرائی میں کمال رکھتا ہو۔ بقول مولانا حالی!

اہل معنٰی کو لازم ہے سخن آرائی بھی　　　بزم میں اہل نظر بھی ہیں تماشائی بھی

حضرت حافظ محمد اسماعیل روپڑی صاحب کا دور بلند مرتبت اور علم و عمل کے اونچے درجے کے خطیبوں اور مقررین کا دور تھا، لیکن گفتار و کردار کے اس گروہِ باصفا میں حضرت حافظ صاحب کی مسحور کن خطابت ایک امتیازی شان رکھتی تھی۔ صاف ستھرے دھوتی کُرتے اور کلاہ پر مسدی پگڑی کے ساتھ ان کے سلفی انداز اور دلنواز خطابت کی سماعت کے لیے ہر خاص و عام اِک نظر دیکھتا رہ جاتا، بلاشبہ دعوت و تبلیغ دین کا ان کا مؤثر طرزِ تکلم اپنی مثال آپ تھا۔ تقریر کے دوران اپنی مخصوص مترنم آواز میں جب وہ قرآنِ عزیز کی آیات تلاوت کرتے تو ایک سماں بندھ جاتا۔ شیخ سعدی کے فارسی، اقبال و حالی کے اُردو اور حافظ محمد لکھوی کے پنجابی اشعار سے مزین ان کی تقریر کی تاثیر مزید بڑھ جاتی۔ ان سطور کے راقم کو کراچی و حیدر آباد میں اور پشاور و کوئٹہ میں بھی اُنہیں سننے کے مواقع ملے۔ پنجاب کے شہر و قصبات اور دیہاتی ماحول میں بھی اُن کی تقریریں سُنیں۔ ان علاقوں کی زبانوں، لہجوں اور کلام و بیان پر حافظ صاحب کو عبور حاصل تھا۔ سلیس اُردو اور ٹھیٹھ پنجابی محاورات میں ان کے مواعظ خوب بہار دکھاتے اور لوگوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح ہوتی

magazine.mohaddis.com

دکھائی دیتی۔

یہ کوئی ۱۹۵۲ء کی بات ہوگی کہ حضرت حافظ صاحب نے مسجد مبارک منٹگمری بازار میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ میرے والد صاحب کی ترغیب سے صوفی احمد دین، حاجی بشیر احمد اور کچھ نوجوان جو اس زمانے میں گول بازار میں کریانہ کی دکانیں کرتے تھے اور ہماری دکان بھی وہیں تھی، یہ نوجوان شرک وبدعات کو چھوڑ کر قرآن وسنت کی شافی تعلیمات کی طرف مائل تھے، لیکن ان کے عقائد میں پختگی حضرت حافظ صاحب کی تقاریر اور مشفقانہ مجلسوں میں بیٹھنے سے آئی۔ صوفی صاحب اپنے ایک جگری دوست حاجی نذیر احمد جن کی چوک گھنٹہ گھر منٹگمری بازار کے کونے پر دودھ دہی کی دکان تھی اور بریلوی عقیدہ رکھتے تھے، اُنہیں حافظ صاحب کا خطبہ جمعہ سنانے کے لیے مسجد مبارک میں لے آئے۔ جمعہ کا خطاب سننے کے بعد حاجی نذیر احمد کا ذہن اور مسلک تبدیل ہوچکا تھا۔ اُنہوں نے چوک گھنٹہ گھر میں اپنی دکان کے آگے جلسہ کا پروگرام بنایا جہاں اس سے قبل ہر ماہ مولوی سردار احمد کی تقریر ہوتی اور محافل میلاد منعقد ہوتی تھیں۔ چنانچہ چوک گھنٹہ گھر میں حضرت حافظ صاحب کی تقریر ہوئی، مسلکِ اہلحدیث کی صداقت، اسلام کی اساس وبنیاد اور قرآن وسنت کی اہمیت پر حافظ صاحب کے روح پرور خطاب نے لائل پور کی کایا پلٹ دی۔

ریل بازار سے لے کر بھوانہ بازار تک سامعین کی بھاری تعداد تھی جو ہمہ تن گوش تھی، حافظ صاحب کی تقریر کے دوران دوسرے عقائد کے بہت سے طلبہ اور مجمع میں موجود علما نے رقعوں کی صورت میں مسائل پوچھے اور بڑے تیکھے سوالات کئے جن کے جوابات حضرت حافظ صاحب نے نہایت پیار اور دعوتی حکمت وموعظت کے ساتھ دیئے جن سے عوام الناس عش عش کر اُٹھے اور کئی بار تقریر کے دوران نعرہ تکبیر سے پنڈال گونجتا رہا۔

حضرت حافظ صاحب کے بعد مقررِ نوخیز حضرت مولانا سید عبد الغنی شاہ آف کامونکی جو پہلی مرتبہ فیصل آباد آئے تھے، ان کی ڈھائی تین گھنٹہ تک توحید باری تعالیٰ کے زیر عنوان تقریر ہوئی جو حضرت حافظ کے مؤثر خطاب کے بعد سونے پر سہاگہ ثابت ہورہی تھی۔ اس جلسہ کے انتظامات اور اس کے فاضل مقررین کے خطابات کے اثرات تھے کہ قرآن وحدیث کی شافی تبلیغ کے لیے فضا ہموار ہوگئی۔ وہ امن کا دور تھا، جلسوں کی منظوری یا لاؤڈ سپیکر کی اجازت وغیرہ کے مسائل ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ ماہ دو ماہ بعد اسی جگہ جو شہر کا مرکز تھی، بہت سی تبلیغی پروگرام منعقد ہوتے رہے جن میں حافظ محمد اسماعیل صاحب کی شرکت لازمی ہوتی۔ کبھی ان کے ساتھ مولانا سید عبد الغنی شاہ، کبھی حافظ محمد اسماعیل ذبیح یہاں تک کہ مولانا محمد اسماعیل سلفی اور مولانا عبد المجید سوہدری بھی خطاب فرماتے رہے۔ یہ ان دنوں کی باتیں ہیں جبکہ ابھی شبان اہلحدیث بھی وجود میں نہیں آئی تھی۔

magazine.mohaddis.com

۱۹۵۴ء کے اواخر میں جب مولانا محمد صدیق تاندلیانوالہ سے لائل پور منتقل ہوئے تو ۱۹۵۵ء میں جمعیۃ شبان اہلحدیث کی تشکیل حافظ محمد اسماعیل روپڑی ہی کے ایما پر عمل میں آئی۔ 'شبان اہلحدیث' نام بھی اُنہوں نے ہی تجویز فرمایا تھا۔ چند سالوں بعد ہمارے دوست مولانا محمد طیب معاذ جامع اہلحدیث محمد پورہ میں آگئے۔ انہی دنوں چیچہ وطنی کے ایک غالی قسم کے بریلوی نوجوان شیخ بشیر احمد لائل پور جب آئے تو میرے والد مرحوم کی تبلیغ و ترغیب سے وہ اہلحدیث ہوئے، ان کا نکاح بھی والد صاحب نے اچھے شیخ خاندان میں کرایا اور کاروباری حلقہ میں ان کا تعارف کرایا۔ ان دونوں حضرات کی شبان اہلحدیث میں شمولیت سے تنظیم میں ایک ولولہ تازہ پیدا ہوگیا۔ اسلام نگر کے ماسٹر فتح محمد ہمارے سالار تھے۔ اس طرح نوجوانوں کا جوش و جذبہ اور مسلک سے وارفتگی جس میں حضرت حافظ محمد اسماعیل روپڑی کی سرپرستی اور تبلیغی طور پر فیصل آباد کو ان کی ترجیح سے کتاب و سنت کی دعوت وارشاد کا سلسلہ بفضل تعالیٰ دن بدن بڑھتا چلا گیا اور شہر و مضافات میں مسلک اہلحدیث کی ایک دھوم مچ گئی۔ اس زمانے میں اکثر تبلیغی اجلاس کے مقررین زیادہ تر حضرت حافظ صاحب اور مولانا محمد صدیق ہوا کرتے تھے۔

۱۹۵۵ء میں مرکزی جمیعت اہلحدیث کی سالانہ کانفرنس دھوبی گھاٹ کے میدان میں بڑی آب و تاب سے منعقد ہوئی تھی جس کی صدارت مولانا سید محمد اسماعیل غزنوی نے فرمائی تھی اور صدرِ استقبالیہ مولانا محمد صدیق تھے۔ اسی موقع پر ایک صبح جامعہ سلفیہ کی بنیاد بھی اکابرین جماعت نے رکھی تھی۔ کانفرنس کے آخری اجلاس میں امیر جمیعت حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی کی خصوصی دعوت پر حضرت العلام مولانا حافظ محمد عبد اللہ روپڑی، حضرت حافظ محمد اسماعیل روپڑی اور مولانا حافظ عبد القادر روپڑی رحمہم اللہ نے شمولیت فرمائی تھی۔

اس عظیم اجتماع میں حافظ محمد اسماعیل نے باوجود اپنی ٹانگ کے درد اور شدید علالت کے خطاب فرمایا، یاد پڑتا ہے کہ انہوں نے يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ کے تحت تقریر فرمائی تھی۔ بیداری کے کمزور اثرات ان کے جسم وجان پر تھے، پھر بھی یہ تقریر ان کی روایتی شیریں کلامی اور بلند پایہ خطابت کی آئینہ دار تھی۔

حافظ محمد اسماعیل بڑے دلیر اور جرات مند عالم دین تھے، ایک دفعہ گوجرہ میں تھانہ کی نزدیکی مسجد اہلحدیث میں جلسہ تھا۔ جمعہ کا خطبہ شیخ الحدیث مولانا محمد یعقوب نے پڑھایا، بعد میں مولانا علی محمد صمصام نے اپنے عوامی انداز میں شرک و بدعات کی تردید کی۔ اس زمانے میں گوجرہ میں متشدد بریلوی مولوی صوفی غلام حسین ہوا کرتے تھے جنہوں نے تھانہ جاکر مولانا صمصام کے خلاف انسپکٹر کو اکسایا جس نے مولانا کو گرفتار کرکے حوالات میں بند کردیا۔ حضرت حافظ محمد اسماعیل نے یہاں فیصل آباد امین پور بازار میں جمعہ پڑھایا تھا جس کے بعد وہ ٹرین پر گوجرہ روانہ ہوئے۔ میرے والد،

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

خود میں بھی دیگر چند ایک احباب کے ہمراہ حافظ صاحب کی معیت میں شام کے وقت جب گوجرہ اسٹیشن پر پہنچے تو اُنہیں مولانا صمصام کے بارے میں بتایا گیا، حافظ صاحب کہنے لگے کہ پہلے ہم تھانہ جائیں گے جہاں آکر حافظ صاحب نے انسپکٹر سے پوچھا کہ آپ نے مولانا کو گرفتار کیوں کیا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ اُنہوں نے دل آزار تقریر کی تھی۔ حافظ صاحب نے کہا کہ آپ کا رپورٹر کہاں ہے؟ کون سے الفاظ دل آزار تھے؟ انسپکٹر کہنے لگا کہ فلاں مولوی صاحب نے آکر بتایا تھا کہ ان کی تقریر سے فرقہ واریت اور انتشار کے خدشات ہیں۔ حافظ صاحب جوش میں آگئے اور فرمایا کہ میں ابھی ایس پی سے لائل پور رابطہ کرتا ہوں کہ آپ نے ایسے غیر ذمہ دار لوگ تھانوں میں بٹھا رکھے ہیں جو اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی بجائے لوگوں کے کہنے پر علما کے خلاف کارروائیاں کرتے ہیں۔ انسپکٹر اس قدر مرعوب ہوا کہ اس نے فی الفور مولانا کو حوالات سے نکالا اور معذرت کی۔ رات کو حافظ صاحب نے پہلے مولانا صمصام کی تقریر کرائی، مولانا نے اپنے خاص اندازِ بیان سے سرورِ کائنات ﷺ کی سنتِ مطہرہ کی اہمیت اور شانِ رسالت پر کھل کر ڈیڑھ گھنٹہ تک محظوظ کیا جس کے بعد حضرت حافظ صاحب نے دو گھنٹے تک مسلکِ اہلحدیث کی حقانیت پر خطاب فرمایا اور پولیس کی غلط کاروائی کی مذمت بھی کی جس سے مقامی جماعت کو تقویت ملی اور مستقبل میں افرادی قوت میں اضافہ ہوا۔

اسی دور کی بات ہے کہ حافظ صاحب بلاک نمبر ۱۹ سرگودھا کی مرکزی جامع اہلحدیث میں خطبہ جمعہ کے لیے جایا کرتے تھے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختم نبوت کے دنوں میں سرگودھا کی دیوبندی حضرات کی جامع مسجد میں روزانہ عشاء کے بعد جلسہ ہوتا تھا جس میں دیگر علما کے علاوہ حافظ صاحب بھی خطاب فرماتے تھے۔ حافظ صاحب کی مدلل اور موثر تقاریر سے تحریک اور کارکنوں کے جذبات دیدنی ہوتے جس پر حافظ صاحب کی گرفتاری کے آرڈر ہوگئے مگر حافظ صاحب کو کارکنان عین تقریر کے موقع پر اسٹیج پر جلوہ افروز کرتے اور تقریر کے بعد فی الفور اُنہیں ایسے غائب کرتے کہ پولیس دیکھتی رہ جاتی۔ روز بروز یہ سلسلہ چلتا رہا، ان کے ضلع سرگودھا میں داخلہ پر پابندی عائد کردی گئی، اس دوران وہ جامع اہلحدیث امین پور بازار میں خطبہ دیتے رہے تاہم چند ہفتے اُنہوں نے قید وبند میں بھی گزارے۔

حضرت حافظ صاحب منکسر المزاج اور تقویٰ شعار خطیب تھے، بلکہ ہم نے دیکھا کہ وہ مستجاب الدعوات اور باکرامت ہستی تھے۔ ایک دفعہ کراچی سے امام جماعت غربا اہل حدیث حضرت حافظ عبدالستار دہلوی کا فیصل آباد آنا ہوا۔ اتفاق سے حافظ صاحب بھی یہاں تھے۔ مولانا صمصام کو ہم نے ستیانہ بنگلہ سے منگوالیا اور رات کو دھوبی گھاٹ کے باغ میں جلسہ کا اعلان کردیا۔ بذریعہ تانگہ لاؤڈ سپیکر پر شہر بھر میں منادی کردی، یہ تخریب کاریاں اور امن وامان کی گتھیاں اور منظوری وغیرہ کی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مشکلات بہت بعد کی باتیں ہیں۔ الغرض رات کا یہ اجتماع حاضرین کی کثرت خصوصاً حافظ صاحب کی مقبولیت کے سبب عظیم الشان جلسہ تھا۔ ابتدا میں مولانا صمصام کی تقریر ہوتی مگر وہ کچھ زیادہ ہی تردید بدعات میں آگے نکل گئے جس سے تھوڑی سی بدمزگی پیدا ہوئی مگر حافظ صاحب نے مائک پر آکر فوری طور پر حالات کو حکمتِ عملی سے اور مولانا کے جملوں کی احسن وضاحت سے کنٹرول کرلیا۔ پولیس نے ہم سے اپیل کی کہ بارہ بجے تک پروگرام رکھیں۔ حکام بالا کی طرف سے بھی ہمیں یہی پیغام دیا گیا۔ چنانچہ حضرت الامام کی تقریر ادھر ختم ہوئی، ادھر بارہ بج گئے۔ سامعین کا اصرار تھا کہ لاؤڈ سپیکر بند کردیا جائے اور حافظ صاحب ضرور تقریر فرمائیں لہٰذا اسی طرح کیا گیا۔ حضرت حافظ صاحب نے بڑے حکیمانہ اور مدبرانہ طرزِ خطابت سے اس رات سامعین کو محظوظ فرمایا جبکہ پنڈال میں دیگر مسالک کے لوگ بھی کافی تعداد میں دیکھے گئے۔ معلوم ہورہا تھا کہ وہ بے حد متاثر ہورہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بے پایہ رحمت کا نظارہ یہ سامنے آیا کہ حضرت حافظ صاحب اپنی شیریں بیانی کے دریا بہارہے تھے اور ان کی آواز دھوبی گھاٹ کی اردگرد بلڈنگوں سے ٹکرا کر دور بیٹھے سامعین تک پہنچ رہی تھی، کسی جانب سے یہ نہیں کہا گیا کہ ہمیں آواز نہیں آرہی۔ ایسے ہی سمجھا جارہا تھا کہ حافظ صاحب لاؤڈ سپیکر پر ہی خطاب فرمارہے ہیں۔ یہ ان کی کرامت نہیں تو اور کیا ہے؟ آج کے قحط الرجال کے دور میں ایسے صالح، دردمند اور خلوص بھرے خطبا ناپید ہیں۔ میر تقی میر نے کہا تھا:

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ   افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

کیا کیا روح پرور اور ایمان افروز واقعات دل و دماغ میں موجزن ہیں۔ یہ انہی دنوں کی بات ہے کہ پتوکی کے قریب ایک چھوٹے اسٹیشن سے اُتر کر چند فرلانگ کی مسافت پر ایک گاؤں میں شیعہ مولوی اسماعیل مناظرے کے لیے للکارے ماررہے تھے۔ وہاں سے کچھ احباب فیصل آباد آئے، کیونکہ یہاں بھی ایک تبلیغی پروگرام میں شرکت کے لیے حافظ محمد اسماعیل، حافظ عبدالقادر، حافظ محمد ابراہیم کمیرپوری اور شیخ الحدیث مولانا محمد صدیق سرگودھوی تشریف فرما تھے۔ مگر یہ پروگرام منسوخ کردیا گیا اور یہ حضرات اس گاؤں روانہ ہوگئے، میں بھی اپنے والد کے ہمراہ تھا۔ جب یہ اکابر گاؤں کے نواح میں پہنچے تو مولوی اسماعیل شیعہ مناظر نو دو گیارہ ہوگئے، پتا ہی نہ چلا کہ وہ کس طرح چھپتے چھپاتے گاؤں چھوڑ گئے ہیں۔ رات چوک میں خوب جلسہ ہوا۔ ان حضرات کی تقریروں اور مواعظِ حسنہ سے گردوپیش سے کئی دیہات سے آئے ہوئے بھاری تعداد میں لوگ خوب اثر لے گئے۔

صبح ناشتہ کے بعد جب ہم واپسی کے لیے اسی ریلوے اسٹیشن پر آئے تو ۹ بجے کی گاڑی نکل گئی تھی اور اب دو ڈھائی بجے دوسری گاڑی نے آنا تھا۔ بارہ ایک بجے کے قریب سب کو بھوک نے ستایا مگر چھوٹے اسٹیشن پر ہونے کی وجہ سے پلیٹ فارم پر پکوڑے تک نہ تھے۔ ہم ایک بنچ پر بیٹھے ہوئے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

تھے، سامنے دو تین کوارٹر نظر آرہے تھے جو ریلوے ملازمین کے تھے اور ان کے آگے تین چار بچے کھیل کود رہے تھے۔ حضرت حافظ اسماعیل صاحب نے پیار بھرے اشارے سے اُنہیں بلایا اور فرمایا کہ بھئی آپ کا والد کدھر ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ وہ اسٹیشن ماسٹر ہیں اور کسی کام سے لاہور گئے ہوئے ہیں۔ حافظ صاحب نے کہا کہ اپنی اماں سے جاکر ہمارا ذکر کرو کہ ہم فلاں گاؤں سے رات جلسہ کر کے آئے ہیں، گاڑی چلی گئی، اب کھانے کو کچھ نہیں۔ دوسری گاڑی آنے میں ابھی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہے، اگر صبح کی پڑی ہوئی کھانے پینے کی اشیا روٹی سالن وغیرہ ہے تو بھیج دیویں۔ بچوں نے جاکر والدہ سے بتایا۔ وہ کوئی نیک بی بی تھی، اس نے کہا کہ ان علما سے کہیں کہ میں تھوڑی دیر میں تازہ روٹیاں پکا دیتی ہوں، انتظار کریں۔ چنانچہ کچھ دیر بعد روٹیاں سالن اچار اور ایک بالٹی لسّی کی آگئی۔

اب حافظ صاحب نے بچوں کو بلا کر فرمایا کہ ہم دعا کرنے لگے ہیں، اپنی ماں سے پوچھ کر آؤ کہ کیا دعا کریں؟ اُنہوں نے آکر بتایا کہ ماں کہتی ہے کہ دعا کریں کہ ہمارے باپ کی یہاں سے تبدیلی ہو جائے، کیونکہ اس جنگل میں ہم اُداس اور پریشان رہتے ہیں۔ حافظ صاحب نے دوبارہ فرمایا کہ پوچھ کر آئیں: کس ریلوے اسٹیشن پر تبدیل ہو جائیں۔ حافظ محمد ابراہیم کمیرپوری بڑے زندہ دل اور مرنجان مرنج طبیعت رکھتے تھے، کہنے لگے کہ حضرت آپ دعا کرنے لگے ہیں یا ٹرانسفر آرڈر دینے لگے ہیں۔ بہرحال حضرت حافظ صاحب نے ہاتھ اُٹھا دیئے اور ہم سب نے بھی حافظ صاحب بارگاہ ربّ العزت میں عرض کر رہے تھے کہ یا اللہ ہم تیرے دین کے مسافر اور طالبِ علم ہیں، ہماری سفارش قبول فرما کر ان بچوں کی والدہ کی خواہش کے مطابق قریبی اسٹیشن رینالہ خورد میں ان کے والد کی ٹرانسفر فرما دے۔ حافظ صاحب نے نہایت رقت اور عاجزی سے یہ الفاظ ادا کئے، اتفاق ایسا ہوا کہ چند روز گذرے، اسی گاؤں کے قریبی گاؤں میں تبلیغی پروگرام تھا جس میں شرکت کے لیے اسی اسٹیشن پر اُترے اور اسٹیشن ماسٹر کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ کچھ دن قبل وہ رینالہ خورد میں جاچکے ہیں۔ یہ حضرت حافظ روپڑی کی پُر خلوص دعا اور بچوں کے ساتھ شفقت آمیز رویے کا نتیجہ تھا۔ یہ واقعات ہمارے علمائے کرام کے لیے قابل توجہ ہیں۔

فیصل آباد میں آج کی پیپلز کالونی جو بیسیوں مربع اراضی پر مشتمل ہے، جو واقعہ میں ذکر کرنے لگا ہوں یہ اس دور کی بات ہے، جب یہاں بہت بڑا گراسی میدان اور پارک قسم کے باغات تھے، ابھی کوئی آبادی نہ تھی۔ ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختم نبوت ختم ہو چکی تھی مگر کامیابی کے لحاظ سے وہ اپنے منطقی نتائج کو نہ پہنچ سکی تھی۔ جگہ جگہ کارکنان جیلوں میں بند تھے اور وہ باہر آنے اور رہا نہ ہونے پر مصر تھے، اس لیے کہ جسٹس منیر انکوائری کر رہے تھے۔ مارشل لاء حکام سے تحریک کے قائدین مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور دیگر احرار راہنما رابطے میں تھے۔ یہ حضرات چاہتے تھے کہ جن کارکنان کو شہید کیا گیا یا جن پر پولیس نے ناروا مظالم ڈھائے ہیں، اُنہیں قرارِ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

واقعی سزائیں دی جائیں۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے علما اور رضا کاران کا جرم بتایا جائے وغیرہ وغیرہ۔

انہی حالات کے تناظر میں فیصل آباد کی متذکرہ پیپلز کالونی کے بڑے میدان میں ایک روزہ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہو رہی تھی۔ جمعہ کا دن، رات کے اجلاس میں طے پایا کہ صرف شاہ جی، حافظ محمد اسماعیل روپڑی اور مولانا محمد علی جالندھری کی تقریریں ہوں گی۔ مولانا محمد علی جالندھری اسٹیج سیکرٹری بن گئے اور صرف دو تقریروں کا پروگرام رکھا گیا۔ مجھے مولانا عبید اللہ احرار نے مائک پر آواز دی کہ موجود ہوں تو نظم سنائیں۔ چنانچہ میں نے مولانا صمصام کی مشہور نظم

دیکھو مرزاے قادیاں والے کہیاں پایاں بھنڈیاں
کئی قوماں دیاں قوماں کر گیا اے گندیاں

ترنم سے سنائی، اسی نظم پر میں تحریک کے آغاز پر چند دن ڈسٹرکٹ جیل میں بھی گزار چکا ہوں۔ بہرحال میری نظم کے بعد حضرت حافظ محمد اسماعیل روپڑی نے معرکہ آرا اور تاریخی خطاب فرمایا۔ اُنہوں نے سورہ یوسف کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ﴿فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِىْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ﴾ کے تحت ذکر فرمایا کہ ہمیں مارشل لا حکام جب تک یہ نہ بتائیں گے کہ ہمارے کارکنان کو کس جرم کی پاداش میں سزائیں دی گئی ہیں، اس وقت تک ہم ان کی رہائی قبول نہیں کریں گے۔ سورۂ یوسف حضرت حافظ صاحب کا خاص موضوع ہوا کرتا تھا جس کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے وہ بہت سے نکات اور مسائل کا استنباط فرمایا کرتے تھے اور پھر اُنہیں حالاتِ حاضرہ پر ایسے منطبق فرماتے تھے کہ جیسے آج ہی کے حالات میں ان کا نزول ہوا ہے۔ بلاریب قرآنِ مجید کا یہ اعجاز ہے کہ اس میں کوئی پرانا پن نہیں، کوئی بھی ہو اور کیسا وقت ہو، پیش آمدہ مسائل کا حل اس میں نظر آئے گا، بقول اقبال!

تو نے دانی کہ آئین تو چیست — زیر گردوں سر تمکین تو کیست
آں کتابِ زندہ قرآن حکیم — حکمت اُو لایزال است و قدیم

اگلے سال ۱۹۵۴ء میں مرکزی جمعیت اہلحدیث کی سالانہ کانفرنس ملتان میں مولانا سید محمد داؤد غزنوی کی صدارت میں اسی موضوع پر حافظ صاحب کی تقریر دل پذیر پوری کانفرنس کا حاصل تھی۔ اپنے اسلاف اور ان کے کارناموں سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ یہ ایک بین حقیقت ہے اور میرے مشاہدات و تاثرات ہیں جن میں تعریف و تحسین تو ہے لیکن ہرگز کوئی مبالغہ آرائی نہیں کہ حضرت حافظ محمد اسماعیل آسمانِ خطابت کے درخشندہ آفتاب تھے جن کی سادہ و متواضع زندگی کے کئی ایک گوشے ہمارے لیے روشنی کا مینار ہیں، لیکن ان کے حوالے سے اپنی یادداشتوں پر نظر دوڑاتا ہوں تو مجھے بہت سے اہم واقعات یاد آتے ہیں۔ اپنے سے بڑوں کے ساتھ مروّت اور علم و فضل کے حاملین کا احترام حضرت حافظ صاحب کے ہمیشہ پیش نظر رہتا۔

magazine.mohaddis.com

وہ کچھ عرصہ جامعہ اسلامیہ آبادی حاکم رائے گوجرانوالہ میں خطیب رہے۔ حضرت الاستاذ حافظ محمد گوندلوی بھی قریبی رہائش ہونے کی وجہ سے وہاں ہی جمعہ پڑھتے تھے۔ حافظ محمد اسماعیل ہر جمعہ کو امامت کے لیے حضرت حافظ گوندلوی کو آگے کرتے، اُن کے اصرار کے باوجود کبھی بھی مصلّے پرنہ آتے۔ ایک دفعہ میں نے اور میرے دوست مولوی محمد اسحاق مرحوم (عرف راکٹ) نے اسی مسجد میں جمعہ ادا کیا۔ اس زمانے میں مرکزی جمعیت اہلحدیث اور مرکزی جماعت اہلحدیث کے قابل صد احترام اور رعالی قدر راہنماؤں کے درمیان مسئلۂ امارت زیر بحث تھا کہ جماعتی نظام زیر امارت تشکیل پایاجانا چاہیے۔ نجی مجلسوں اور علما کے درمیان علمی گفتگو کی حد تک مسئلہ تھا، منبر و محراب یا اسٹیج پر موضوعِ سخن نہیں بنایا جارہا تھا۔

حضرت حافظ محمد اسماعیل روپڑی کو خطبہ کے آخر میں کسی نے رقعہ دیا کہ مسئلہ امارت کی آپ ذرا وضاحت فرمائیں۔ حافظ صاحب غصہ میں آگئے اور جواباً فرمایا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ آج میں یہ مسئلہ بیان کروں اور اگلے جمعہ کو حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی اپنے خطبہ جمعہ میں اس کا جواب دیں، اس زبان سے اس قسم کی توقع ہرگز نہ رکھیں۔ البتہ جس نے مسئلہ سمجھنا ہو، نماز کے بعد میرے پاس آئے، میں سمجھادوں گا۔ نہ صرف حافظ صاحب کی یہ بلند اخلاقی بلکہ وہ گوجرانوالہ سے روانہ ہوتے ہوئے راستے میں مولانا محمد اسماعیل صاحب سے ملاقات کرکے اور اُن کی خیریت معلوم کرکے لاہور روانہ ہوتے۔

حضرت حافظ صاحب غالباً دسمبر ۱۹۶۳ء میں اس دارِفانی سے رحلت فرماگئے تھے۔ وفات سے ہفتہ عشرہ پہلے کی بات ہے کہ وہ بیماری کی شدت کے باعث گنگا رام ہسپتال کی بالائی منزل میں زیر علاج تھے۔ فیصل آباد سے تین چار دوستوں کے ساتھ میں بھی ان کی تیمارداری کے لیے حاضر تھا کہ اتنے میں مولانا سید محمد داؤد غزنوی تشریف لائے۔ ان کے ہمراہ مولانا محمد اسحاق بھٹی ایڈیٹر 'الاعتصام' بھی تھے۔ مولانا غزنوی ان دنوں عارضۂ قلب میں مبتلا تھے، اُنہیں دیکھتے ہی حافظ محمد اسماعیل نے اپنی کمزور آواز میں عرض کیا کہ آپ اپنی شدید علالت کے باوجود کیوں تشریف لائے؟ آپ نے یہ زحمت کیوں فرمائی؟ کسی سے میری صحت کے متعلق دریافت فرمالیتے۔ حافظ صاحب نے مولانا غزنوی سے مزید عرض کیا کہ

"حضرت آپ قوم کی متاعِ عزیز ہیں۔ جماعت اور ملک و ملت کو آپ کی بہت ضرورت ہے، میرا کیا ہے، میں تو ایک عام مولوی ہوں۔"

یہ الفاظ سن کر مولانا غزنوی کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں، پورے ماحول پر ایک غم آلود سناٹا چھا گیا۔ سنتِ نبویؐ کے مطابق آخر دم تک بڑوں کا احترام و تکریم اور چھوٹے پر شفقت ورافت خصوصاً نوجوان علما کی حوصلہ افزائی حضرت حافظ صاحب کا پوری زندگی شعار رہا۔ بہت سے نوجوان علما کو

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

تنہائیوں سے نکال کر میدانِ تبلیغ میں لانا اور اسٹیج کی رونق بنانا ان کا معمول رہا۔ مولانا حافظ محمد ابراہیم کمیرپوری محقق عالم دین تھے، لیکن تقسیم ہند کے بعد وہ یہ میدان چھوڑے ہوئے تھے اور جھنگ میں انصاری برادری کے ترجمان ہفت روزہ 'صنعتی پاکستان' کی ادارت فرماتے تھے۔ حافظ محمد اسماعیل اُنہیں اسٹیج پر لائے جو آگے چل کر ایک معروف مقرر اور دانشور ہی نہیں بلکہ کامیاب مناظر بنے۔ مولانا محمد حسین شیخوپوری اپنے گاؤں میں زمینداره کرتے اور شعر و سخن سے دلچسپی رکھتے تھے۔ حضرت حافظ صاحب اُنہیں اسٹیج پر لائے جو خطیبِ پاکستان کے لقب سے شہرت پاگئے اور جن کی تبلیغی سرگرمیاں اور دعوت وارشاد سے ملک اور بیرونِ ملک لوگ مستفید ہوئے۔ مولانا محمد رفیق مدنپوری ہماری جماعت کے نامور مقرر اور نوجوان خطیب تھے جو شروع میں شہر کے ایک دور افتادہ محلہ مدن پورہ کی مسجد کے غیر معروف عالم دین اور پاور لومز پر کام کرتے تھے۔ انہیں بھی حضرت حافظ صاحب نے اسٹیج کی زینت بنایا اور میدانِ تبلیغ کے شہسوار کے طور پر مشہور ہوئے۔ ان نامی گرامی علماء و مبلغین کے علاوہ بیشتر نوخیز علما اور فارغ التحصیل طلبہ کی حافظ صاحب نے دلجوئی فرمائی اور اُن کا حوصلہ بڑھایا۔ حضرت حافظ صاحب اپنے ہم عمر علما مولانا محمد صدیق، مولانا محمد اسحاق چیمہ، مولانا عبدالرحیم اشرف اور مولانا عبید اللہ احرار سے بے تکلف اور خوش مزاج گفتگو فرماتے جس کی باغ و بہار مجلسوں سے میرے جیسے نوجوان بڑی سوجھ بوجھ اور فکری راہنمائی حاصل کرتے۔

فیصل آباد میں کلیہ دارالقرآن والحدیث جناح کالونی کے سالانہ جلسہ پر حضرت حافظ صاحب کی شمولیت حضرۃ الاستاذ مولانا محمد عبد اللہ ویرووالوی ضروری قرار دیتے۔ حافظ صاحب سے رابطہ ووعدہ میری ڈیوٹی ہوتی۔ حضرت حافظ محمد اسماعیل کے انتقال کے بعد حافظ عبدالقادر صاحب بھی تاحین حیات شرکت فرماتے رہے۔ سالانہ کانفرنسیں اور جلسے تو اب بھی ہوتے ہیں مگر وہ اسلاف کی دعوت و تبلیغ کا مخلصانہ رنگ نظر نہیں آتا۔ حضرت حافظ صاحب کے دعوتی و تبلیغی سفروں کا دائرہ کار پورے ملک میں پھیلا ہوا تھا۔ کسی بھی کانفرنس یا جلسہ میں ان کے خطاب کو اہمیت حاصل رہتی۔ صوبہ سندھ کے بڑے بڑے شہروں کراچی، حیدر آباد، میرپور خاص ان کے وعظ و تذکیر سے گونجتے رہے۔ ان شہروں میں ان کے ہمراہ حضرت پیر سید بدیع الدین شاہ راشدی اہم ترین مقرر ہوتے۔ کراچی میں مولانا قاری عبدالخالق رحمانی کی معیت میں ان کے تبلیغی پروگراموں کا سلسلہ ہفتوں جاری رہتا۔

کراچی میں قائد اعظم کے مزار کے سامنے اس زمانے میں ایک بڑی کوٹھی قیوم منزل کے نام سے موسوم تھی جس کے مالک حاجی عبدالقیوم پشاوری تھے اور ان کی قیوم ٹیکسٹائل ملز بھی کراچی میں تھی۔ حاجی صاحب حضرت حافظ صاحب کے بہت عقیدت مند تھے، وہ رمضان المبارک میں اپنی اسی کوٹھی کے وسیع لان میں نمازِ تراویح کا اہتمام کرتے۔ برس ہا برس حضرت حافظ صاحب

magazine.mohaddis.com

یہاں رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کی امامت فرماتے رہے۔ خطبہ جمعہ اکثر مسجد رحمانیہ رنچھوڑ لائن میں پڑھاتے تھے۔ نمازِ تراویح میں شہر کے اطراف واکناف سے گاڑیوں پر اور پیدل سینکڑوں نمازی ہوتے۔ حضرت حافظ صاحب کی شفقت سے میں نے اور میرے دوست شیخ محمد یونس (راولپنڈی) نے ایک مرتبہ آدھا رمضان المبارک کراچی میں گزارا۔ حضرت حافظ صاحب کو ہم نے دیکھا کہ ہر نماز کے بعد کہیں درسِ قرآن دیتے اور کہیں تفصیلی تقریر فرماتے، سارا دن اسی تبلیغی مصروفیت میں گذرتا۔ ہم نے دن کے اوقات میں کبھی نہ دیکھا کہ انہوں نے رات کو تراویح میں پڑھنے والی منزل کا کسی سے دور کیا ہو یا کم از کم پارہ ہی دیکھا ہو۔ ان کے حافظے کی یہ کیفیت تھی کہ دن بھر کی مصروفیات اور بعض دفعہ دور دراز کسی افطاری میں شرکت کے بعد قیوم منزل پہنچے اور آتے ہی پورا پارہ نمازِ تراویح میں سناتے۔ ان کی سوز و گداز میں ڈوبی اور مترنم تلاوت سے وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلتا۔ تراویح کے بعد گھنٹہ پون گھنٹہ پڑھی گئی منزل کے خاص خاص مقام اور سورتوں کے شانِ نزول پر خطاب فرماتے۔ بعد ازاں تمام نمازیوں کو حاجی عبد القیوم کی طرف سے آئس کریم اور شربتِ روح افزا پیش کیے جاتے۔ جس زمانے کی یہ باتیں ہیں وہ موسم جون کا مہینہ اور شدت کا گرم رمضان المبارک تھا، لیکن حافظ صاحب کی پُر رونق یہ مجلسیں موسم بہار کا لطف دیتی نظر آتیں۔

حضرت حافظ صاحب ایک ایسے یگانہ روزگار عالم دین تھے کہ جن کی پُر حکمت اور فصاحت و بلاغت سے بھری خطابت و گفتگو میں ایک چاشنی تھی اور ان کی شخصیت میں ایسی کشش تھی کہ وہ ملنے والے کو اپنی طرف متوجہ بھی کر لیتے تھے اور متاثر بھی۔ ان کی بااخلاق طبیعت اور خطابت کی جولانیاں اب بھی مدتِ مدید گزرنے کے باوجود کانوں میں رس گھول رہی ہیں۔ وہ اپنے دور کے نمونہ اسلاف اور کامیاب مبلغین و مقررین کی صف میں کریمانہ عادات و اطوار اور شریفانہ علمی اقدار سے بہرہ ور تھے۔ بقول اقبال کہا جا سکتا ہے:

لطف گویائی میں تیری ہمسری ممکن نہیں　　　　ہو تخیل کا نہ جب تک فکر کامل ہم نشین

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دینی و ملی عظیم مساعی اور حسنات کو قبول و منظور فرما کر ان پر بخشش و غفران اور اپنی بھرپور رحمتوں کی برسات برسائے اور جنت الفردوس میں انبیاء و اتقیا اور صلحا کے ساتھ حشر فرمائے اور اُن کی آل واولاد کو ان کے نقشِ قدم پر چلائے۔ آمین!

نیز آج کے ہمارے خطیبوں اور واعظین کو انہی اسلاف کی طرح خدمت و تبلیغ دین کی توفیق مرحمت فرمائے۔ کیونکہ ہماری پستی اور انحطاط کی بڑی وجہ اسلاف کے طرزِ زندگی سے انحراف اور نفسانی خواہشات کو ہی سلیقہ زندگی بنائے رکھنا ہے۔ بقول اقبال

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی　　ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

حافظ محمد عبد الاعلیٰ درانی
برطانیہ

تعارفِ کتب

❶ نام کتاب: مولانا عبد الغفار حسن (حیات و خدمات)
تالیف و ترتیب: ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)، ڈاکٹر سہیل حسن (اسلام آباد)
صفحات: ۶۰۰
ناشر: مکتبہ اسلامیہ غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور

حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل کے ساتھیوں سے اپنا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا تھا: ''میں اپنے آبا کے مذہبِ توحید کا پیروکار ہوں۔'' ﴿ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْ ﴾ (یوسف:۳۸)

یعنی خاندانی عظمت وہاں قابل تعریف ہے جہاں عقیدہ سلامت اور خاندانی تاریخ قابل قدر ہو۔ مولانا صہیب حسن خوش نصیب ہیں کہ وہ ایک ایسے علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس کی آب و تاب پر پوری ایک صدی گزر چکی ہے اور سو سال سے یہ خاندان توحید و سنت کی آبیاری کرنے میں مشغول ہے۔ مولانا صہیب حسن کے پردادا مولانا عبد الجبار عمرپوری (ولادت ۱۲۷۷ھ، وفات ۱۳۳۴ھ)، دادا مولانا حافظ عبد الستار حسن اور والد مولانا عبد الغفار حسن تینوں اسلامی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہیں۔ خود مولانا صہیب حسن علوم قدیم و جدید کا حسین سنگم ہونے کے ناطے برصغیر اور یورپ میں ایک مقام رکھتے ہیں۔ اُمید واثق ہے اور ہم دعاگو ہیں کہ اگلی نسلیں بھی اپنے اس خاندانی اعزاز کو ہاتھ سے جانے نہیں دیں گی۔

مولانا عبد الغفار حسن مرحوم ایک وسیع علمی پس منظر رکھتے تھے۔ ان کی سرگرمیوں کا مرکز و محور زیادہ تر درس و تدریس رہا۔ برصغیر پاک و ہند کے مختلف دینی مدارس میں تدریس کے بعد مدینہ یونیورسٹی جیسے عالمی ادارے میں سولہ سالہ تدریس علوم حدیث واقعی آپ کا طرۂ امتیاز رہا۔ فیصل آباد میں جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہنے کے ساتھ ساتھ آپ اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن بھی رہے جو خالص کتاب و سنت کی ترجمانی کا مظہر تھا۔ اپنوں بیگانوں کی بے اعتنائی اور مخالفت کے باوجود نو سال تک اس کے رکن رہے اور ہر موقع پر آپ نے قرآن و سنت کی ترجمانی کی۔ کسی خاص فقہ کی بجائے خالص قرآن و سنت کی بات صرف وہی کر سکتا

magazine.mohaddis.com

ہے جو تقلیدی بندشوں سے آزاد اور قرآن و سنت کا بے پایاں علم رکھتا ہو۔ مولانا حسن کا وسیع علمی و نظریاتی پس منظر ان کے بہت کام آیا۔

۱۹۴۱ء سے ۱۹۵۷ء تک مسلسل سولہ سال آپ جماعتِ اسلامی سے بھی وابستہ رہے بلکہ دو دفعہ اس کے قائم مقام امیر ہونے کا اعزاز بھی ملا اور قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ پھر ۱۹۵۷ء میں مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا عبد الجبار غازی، حکیم عبد الرحیم اشرف، ڈاکٹر اسرار احمد اور سلطان احمد جیسے اکابر سمیت جماعتِ اسلامی سے علیحدہ ہوگئے تو ان کے ساتھ ہی مولانا عبد الغفار حسن نے بھی جماعت کا ساتھ چھوڑ دیا۔

زیر تبصرہ کتاب میں مولانا عبد الغفار حسن کی متنوع خدمات تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ واقعتاً ان منتشر پھولوں کو ایک خوبصورت گلدستہ کی شکل دینے کے لیے ڈاکٹر صہیب حسن اور ان کے بھائی ڈاکٹر سہیل حسن نے بڑی محنت کی ہے۔

قابل ذکر امر یہ ہے کہ خاندان عمرپور جس طرح علوم عربیہ، دینیہ میں ممتاز رہا، اسی طرح عقیدہ میں سلفی منہج کا داعی و امین بھی رہا جو در حقیقت شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگردِ رشید مولانا عبد الجبار عمرپوری کی باقیات صالحات ہیں۔

اس کتاب کے پہلے حصے میں سولہ ابواب جن میں مورّث اعلیٰ، علمائے عمرپور، تذکرہ مولانا عبد الغفار حسن، دار الحدیث بنارس کا قیام، جماعتِ اسلامی سے وابستگی کی روداد، پاکستان کے مختلف علاقوں میں مولانا عبد الغفار حسن کے قیام اور حجازِ مقدس میں بحیثیتِ مدرس جانے کا تذکرہ، غیر ملکی اسفار، مشہور طلبہ کے نام، تحقیقی و تصنیفی خدمات اور گھریلو حالات لکھے گئے ہیں۔ دوسرے حصے میں مولانا کے افرادِ خاندان کے مضامین ہیں اور تیسرے حصے میں مولانا عبد الغفار حسن کے مکالمات (انٹرویوز) اور آخر میں کچھ توضیحات دی گئی ہیں۔

الحمدللہ مولانا ڈاکٹر صہیب حسن کی محنت سے پوری صدی کی ایک تاریخ جمع ہوگئی ہے، جو نہ صرف ان کے خاندان کی تاریخ ہے بلکہ برصغیر کی دینی و سیاسی سرگرمیوں اور تحریکوں کی ایک جھلک بھی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس علمی خانوادے کو اپنی نیک روایات و خدمات نہ صرف باقی رکھنے کی ارزانی فرمائی بلکہ جدید عصری چیلنج کا جواب دینے کی بھی توفیق دے۔ عمر کے آخری حصہ میں مولانا عبد الغفار حسن مرحوم اس کے لیے ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتے تھے اور اپنے شاگردوں کو ہر ملاقات میں اس کے لیے تیار بھی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ انہیں زندگی میں یہ دیکھنے کا موقع نہ دیا لیکن ان کی یہ اُمنگ ان کے صلبی اور روحانی جانشینوں کے لیے ایک اہم وصیت کا درجہ رکھتی ہے۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

تبصرہ نگار: محمد یونس جنجوعہ

❷ نام کتاب: چہرے کا پردہ: واجب، مستحب یا بدعت؟
مصنف: حافظ محمد زبیر ناشر: مکتبہ رحمۃ للعالمین، لاہور
صفحات: ۲۲۴ قیمت: ۱۷۵ روپے

بعض اہل علم کو اپنی علمی قدر و منزلت کا اس قدر زعم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کے لیے مسلمات کو اپنی تحقیق کا تختۂ مشق بنا کر یک طرفہ نتائج قارئین کے سامنے لاتے ہیں اور قارئین کو ورطۂ حیرت و استعجاب میں ڈال دیتے ہیں، حالانکہ دین کے معاملے میں تو یہ چیز ہر وقت پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ کتاب و سنت کا فہم رکھنے اور اُن سے مسائل اخذ کرنے میں قرونِ اولیٰ کے اہل علم یقیناً صائب الرائے تھے۔ اگر یہ حقیقت تسلیم نہ کی جائے تو لازم آتا ہے کہ آج سے پہلے قرآن و سنت کو کسی نے سمجھا ہی نہیں۔ اس معاملے میں دیدہ دلیری کا یہ حال ہے کہ کوئی عالم دین اُٹھتا ہے تو سود اور شراب کی حرمت کو چیلنج کر دیتا ہے۔ کوئی دوسرا محمد فاضل منظر عام پر آکر موسیقی کو روح کی غذا اور مخلوط معاشرت کو جائز قرار دیتا ہے۔

عورت کے ستر و حجاب کے سلسلہ میں چہرے کا پردہ بھی اسی ستم ظریفی کا نشانہ بنایا گیا اور متجددین نے اسے بھی غیر ضروری قرار دیا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب میں فاضل مصنف نے ایسے لوگوں کا محاکمہ نہایت موثر انداز میں کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ عورت کے چہرے کا پردہ مسلماتِ شرعیہ میں سے ہے۔ علاوہ ازیں فطرتِ سلیمہ بھی اس بات سے ابا کرتی ہے کہ عورت بڑی سی چادر کے ساتھ سارا جسم تو ڈھانپ لے مگر اُس کا چہرہ کھلا رہے جو کہ نسوانی حسن کا اوّلین مرکز ہے۔ اپنے دعوے کی تصدیق و تصویب کے لیے مصنف نے کتاب کو ایک تمہید اور چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ ابواب کے عنوانات بالترتیب اس طرح ہیں: ① باب اوّل: چہرے کا پردہ: آیاتِ قرآنی کی روشنی میں، ② باب دوم: چہرے کا پردہ: احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں، ③ باب سوم: چہرے کا پردہ: آثارِ صحابہ و تابعین کی روشنی میں، ④ باب چہارم: چہرے کا پردہ: مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں، ⑤ باب پنجم: چہرے کا پردہ اور تواتر عملی ⑥ ششم: چہرے کا پردہ اور چند شبہات کا جواب

اگرچہ زیر بحث عنوان پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں مگر اتنی مدلل، مفصل اور جامع کتاب شاید ہی اس سے پہلے منظر عام پر آئی ہو، کیونکہ اس کتاب میں وہ سارے دلائل یکجا کر دیئے گئے ہیں جو دوسری کتابوں میں متفرق طور پر لکھے گئے ہیں۔ معروف داعی دین ڈاکٹر اسرار احمد نے اس کا مقدمہ تحریر کیا اور کتاب کی تعریف کی ہے۔ کتاب معنوی حسن سے تو مالا مال ہے ہی، اچھے سفید کاغذ اور خوبصورت ٹائٹل نے کتاب کو ظاہری طور پر بھی دیدہ زیب بنا دیا ہے۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

اہل علم، خطبا، مبلغین اور واعظین کے لیے عظیم خوشخبری

زاد الخطیب

ڈاکٹر حافظ محمد اسحٰق زاہد

[سال بھر کی مناسبت سے مخصوص موضوعات پر مشتمل خطبات کا بہترین ذخیرہ]

چوتھا ایڈیشن | دو جلدیں | صفحات: ۱۱۶۰

خصوصیات

* دیدہ زیب، خوبصورت اور چہار کلر ٹائٹل، امپورٹڈ کاغذ
* سابقہ ایڈیشنوں میں طباعت کی غلطیوں کی تصحیح کر دی گئی ہے
* بعض خطبات میں علمی مواد کا اضافہ کیا گیا ہے
* بعض علمی موضوعات پر مزید تحقیق کی گئی ہے
* کتاب کو فنی اعتبار سے مزید مرتب کیا گیا ہے
* صحیح و مستند روایات اور معتبر واقعات کا حامل ترین مجموعہ

دنیا بھر کے خطبا، واعظین اور اہل علم کی پسند

ملنے کے پتے

رانا طاہر محمود، مکان ۷، گلی ۳، سلیمان پارک بینک سٹاپ، فیروز پور روڈ، لاہور۔فون: 0333-4237720

مکتبہ اسلامیہ، بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور۔فون: 042-37244973

مکتبہ اسلامیہ، کوتوالی روڈ، فیصل آباد۔فون: 2631204

مولانا ارشد علی، جامعہ محمدیہ للبنین والبنات، کورنگی ۲، کراچی۔فون: 0300-2682701

مولانا حافظ محمد رفیق، جامعہ دار الحدیث محمدیہ ملتان۔فون: 0321-6335038

حافظ ظہیر احمد سعیدی، عمار بن یاسر ہائی سکول، جام پور روڈ، ڈیرہ غازی خان۔فون: 0333-6215594

www.mohaddis.com

CPL No 49
Vol.43 No.7

Monthly MUHADDIS Lahore

5866476
5866396

www.kitabosunnat.com

عناد اور تعصب قوم کے لیے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں
لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظرانداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئینِ سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ **محدث**

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے ———— زرِ سالانہ ۲۰۰ روپے